عظمتِ اسلام نمبر

الرسالہ

Al-Risala

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خان

صدر اسلامی مرکز

اگر آپ کے پاس محنت کی درس گاہ کی سند ہو
تو اس کے بعد آپ کو ترقی کے لیے
کسی اور درس گاہ کی سند کی ضرورت نہیں

MAKTABA AL - RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N.Y. 11230
TEL: (718) 258 - 3435

مئی ۱۹۹۲ شمارہ ۱۸۶

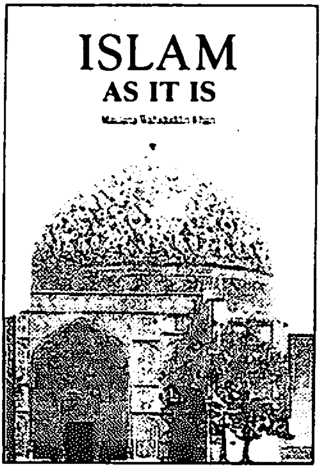

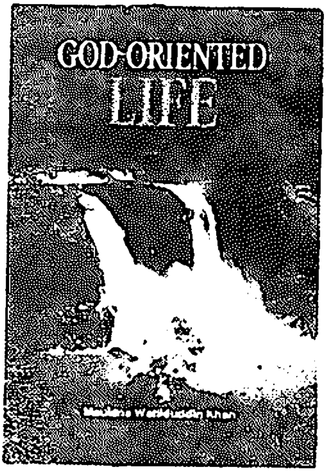

ISLAM AS IT IS

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 114 Rs. 40

In *Islam As It Is,* Maulana Wahiduddin Khan presents the fundamental teachings of Islam in a manner which will appeal directly to both general readers and students of Islam.

Simple and straightforward in style, *Islam As It Is* gives the reader an accurate and comprehensive picture of Islam — the true religion of submission to God.

GOD-ORIENTED LIFE

By Maulana Wahiduddin Khan

Pages 186 Rs. 60

The traditions – Sunnah – of the Prophet Muhammad, upon whom be peace, and the lives of his companions and those closely associated with them, serve as a major source of religious enlightenment in theory and in practice. This book endeavours to present these ideas in the simplest and most direct way. In that it culls from authentic sources the sayings and deeds of the Prophet and those inspired by him, it brings to us a complete and, above all, human picture of true Islamic behaviour.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

عظمتِ اسلام نمبر

مئی ۱۹۹۲ شمارہ ۱۸۶

دینِ اسلام	۴
اسلام کی طاقت	۶
کامل مذہب	۸
نظریاتی سپر پاور	۱۰
برتر طاقت	۱۲
اسلام کی برکت	۱۴
اسلام کی اثر انگیزی	۱۶
آنے والی صدی	۱۸
دین محفوظ کی طاقت	۲۰
کون سا مذہب	۲۲
نیا مستقبل	۲۴
ایک اعتراف	۲۶
نیا دور	۲۸
شاہ کلید	۳۰
مطلوبِ فطرت	۳۲
صداقتِ اسلام	۳۴
تاریخی تائید	۳۶
دنیا اسلام کی تلاش میں	۳۸
نظریاتی برتری	۴۰
دین فطرت	۴۲
مانع جرم	۴۴
نئے دور کے کنارہ پر	۴۶
دنیا انتظار میں ہے	۴۸
اسلام واحد حل	۵۰

AL-RISALA (URDU) Monthly
The Islamic Centre, C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110013
Telephone: 611128, 697333; Fax: 91-11-3312601 (Attn: Tel. 697333)
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US$25 (Air Mail)
MAKTABA AL-RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N.Y. 11230
TEL: (718) 258-3435

دین اسلام

اسلام کائنات کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو پیدا کیا تو اسی وقت یہ مقدر کر دیا کہ کائنات کا دین اسلام ہوگا۔ وہ کامل طور پر اللہ کی اطاعت اور سپردگی کے راستہ پر چلے گی۔ وہ ادنیٰ درجہ میں بھی اس کی مرضی سے انحراف نہیں کرے گی۔

اس کے بعد جب اللہ نے انسان کو پیدا کر کے زمین پر بسایا تو اس کو بھی یہی حکم دیا کہ وہ پوری طرح اللہ کا فرماں بردار رہ کر دنیا میں زندگی گزارے۔ اللہ کی کامل اطاعت ہی کائنات کا مذہب ہے اور اللہ کی کامل اطاعت ہی انسان کا مذہب بھی :

Submission to God is the only religion for both:
Man and the Universe.

البتہ کائنات اور انسان میں ایک فرق ہے۔ کائنات پوری طرح مسخر ہے۔ وہ مجبور ہے کہ وہی کرے جس کا حکم اللہ نے اس کو دے رکھا ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ مگر انسان ایک با اختیار مخلوق ہے۔ انسان کو وہی اطاعت اختیارانہ طور پر کرنا ہے جس کو بقیہ کائنات مجبورانہ طور پر کر رہی ہے۔

کائنات اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ایک وحدت ہے۔ پوری کائنات ایک نظام وحدت کے تحت عمل کرتی ہے۔ اس طرح کائنات اس بات کا مظاہرہ کر رہی ہے کہ وہ ایک خدا کو ماننے والی ہے۔ یہی چیز انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے ایک خدا کو مان لے، وہ اپنی فکر کو پوری طرح توحید کی فکر میں ڈھال لے۔

شہد کی مکھی سے لے کر شمسی نظام تک کائنات کا ہر جز نہایت بامعنی انداز میں اپنا عمل کر رہا ہے۔ جیسے کہ وہ کسی برتر طاقت سے اپنے لیے احکام وصول کر رہا ہو۔ اسی کا نام وحی ہے۔ انسان کی طرف بھی اللہ نے پیغمبروں کے ذریعہ وحی کی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس وحی کو اپنا رہنما بنائے، وہ اپنی زندگی کے تمام اعمال اسی وحی کی روشنی میں انجام دے۔

پوری کائنات حالت سجدہ میں ہے۔ اس کا ایک مظاہرہ درخت اور تمام بلندیاں اپنے سایہ

کی صورت میں کرتی ہیں۔ ہر بلند چیز اپنا سایہ زمین پر ڈال کر گویا اپنے خالق کے آگے سجدہ کر رہی ہے۔ یہی سجدہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے آگے سجدہ میں گر جائے، وہ اللہ کی عبادت گزاری کو اپنی روح کی غذا بنالے۔

کائنات میں بے شمار چیزیں ہیں۔ اور ہر ایک حرکت کی حالت میں ہے۔ مگر ان کے درمیان کبھی کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اس کا ہر جزء اس کے دوسرے اجزاء سے کامل ہم آہنگ رہ کر اپنا عمل کرتا ہے۔ یہی طریقہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی انفرادیت کو اجتماعیت کے ساتھ جوڑے۔ ہر انسان دوسرے انسانوں سے موافقت کرتے ہوئے اپنا مقصدِ حیات حاصل کرے۔

کائنات نفع بخشی کے اصول پر چل رہی ہے۔ کائنات کا ہر جزء اپنا عمل اس طرح کرتا ہے کہ وہ دوسرے تمام اجزاء کے لیے مفید بن سکے۔ یہی اصول انسان کو بھی اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔ ہر آدمی کو اس پختہ سوچ کے ساتھ دنیا میں رہنا ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اس کی سرگرمیاں دوسرے کے لیے ہمیشہ نفع بخش ثابت ہوں۔

کائنات پوری کی پوری قابلِ پیشین گوئی کردار رکھتی ہے۔ کائنات کے ہر جزء کے بارہ میں پیشگی طور پر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئندہ وہ کس طرح اپنا عمل کرے گا۔ یہی چیز انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو بھی قابل پیشین گوئی کردار کا حامل ہونا چاہیے۔ انسان کو اتنا زیادہ بااصول ہونا چاہیے کہ پیشگی طور پر یہ اندازہ کیا جا سکے کہ کن حالات میں وہ کس قسم کا ردعمل ظاہر کرے گا۔

کائنات کی ہر چیز اپنی حد کے اندر رہ کر عمل کرتی ہے۔ ہر ستارہ اپنے ذاتی مدار میں حرکت کرتا ہے، کوئی ستارہ کبھی دوسرے کے مدار میں داخل نہیں ہوتا۔ یہی طریقہ انسان کو بھی اختیار کرنا ہے۔ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی حد کے اندر رہے۔ وہ کبھی دوسرے کے دائرہ میں داخل نہ ہو۔ ہر آدمی کو اس احساس کے ساتھ دنیا میں رہنا ہے کہ اس کی حد وہاں ختم ہو جاتی ہے جہاں سے دوسرے کی حد شروع ہوتی ہے۔

انسان کے بارہ میں اللہ کی مرضی کیا ہے، اس کو اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجا۔ اسلام اس وحی کا آخری اور مستند اڈیشن ہے۔ اسلام اللہ کی مرضی کا لفظی بیان ہے اور کائنات اللہ کی مرضی کا عملی مظاہرہ۔

اسلام کی طاقت

مشہور امریکی میگزین نیوز ویک (۳ فروری ۱۹۹۲) کی کور اسٹوری وسط ایشیا کے بارہ میں ہے۔ اس کی سرخی اس نے ان الفاظ میں قائم کی ہے ـــــــ وسط ایشیا کا وسیع علاقہ سوویت اقتدار سے آزادی کے بعد اپنے اسلامی تشخص کی تلاش میں :

Central Asia: freed from Soviet rule,
a vast region searches for an Islamic identity.

روس کی سرحدی ریاستیں، ازبکستان، قزاقستان، کرغیزستان، ترکمانستان، تاجکستان، سو سال پہلے مسلم ریاستیں تھیں۔ ۱۹۱۷ میں روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو اس نے جلد ہی توسیع کی پالیسی اختیار کی۔ وسط ایشیا کی ان تمام ریاستوں کو اپنے قبضہ میں لے کر جبری طور پر ان کے اوپر کمیونسٹ نظام نافذ کر دیا گیا۔ اس پورے علاقہ پر ۷۰ سال سوویت یونین کا قبضہ رہا۔ یہاں تک کہ حالات میں تبدیلی ہوئی اور ۱۹۹۱ کے آخر میں یہ تمام ریاستیں آزاد ہو گئیں۔

ان ریاستوں کے بارہ میں مسلسل ایسی خبریں آرہی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۷۰ سال تک اشتراکی قید میں رہنے کے باوجود وہاں کے مسلمانوں نے اسلام سے اپنا تعلق باقی رکھا اور جیسے ہی آزادی ملی ان کی اسلامیت اچانک نمایاں ہو گئی جو اشتراکی جبر کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں اور ان کے گھروں میں چھپی ہوئی تھی۔

مذکورہ نیوز ویک کی ٹیم نے علاقہ کا براہ راست جائزہ لینے کے بعد بتایا ہے کہ سعودی علماء کثیر تعداد میں قرآن کے نسخے لے کر اس علاقہ میں آگئے ہیں تاکہ "پیرافٹ محمد کے پیغام" کو لوگوں کے درمیان پھیلائیں۔ کمیونسٹوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں یہاں کا رسم الخط جبری طور پر بدل کر روسی رسم الخط کر دیا تھا۔ اب نئے حکمراں دوبارہ اس کو عربی رسم الخط میں تبدیل کر رہے ہیں۔

اشتراکی دور حکومت میں یہ ناممکن تھا کہ باہر کا کوئی ادارہ اس علاقہ میں دینی مدد پہنچا سکے۔ آج مختلف اسلامک ممالک آزادانہ طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔ سعودی عرب نے تخمیناً ایک بلین ڈالر وسط ایشیا میں پہنچایا ہے تاکہ وہاں کے دینی کاموں کو فروغ حاصل ہو۔ وہ مزید سات بلین ڈالر

تاشقند کے ریلیجس بورڈ کو دے رہا ہے تاکہ امام اسماعیل البخاری کے مزار کے ساتھ ایک بڑا اسلامک سنٹر قائم کیا جا سکے۔ (صفحہ ۲۱)

سعودیہ کا اسلامک بینک ایک منصوبہ کو تین لاکھ ڈالر ($ 300,000) کی مدد دے رہا ہے تاکہ دوشنبی (Dushanbe) میں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا جا سکے۔ اسی طرح دوسرے مسلم ممالک بھی اس علاقہ میں اسلام کے فروغ کے لیے مختلف طریقہ سے اپنا تعاون دے رہے ہیں۔

نیوز ویک نے مزید لکھا ہے کہ دو سال پہلے تاجکستان میں صرف ۱۸ مسجدیں تھیں۔ آج مسلم ذمہ داروں کے بیان کے مطابق، یہاں ۲۵۰۰ سے زیادہ مسجدیں ہیں:

> Two years ago there were only 18 mosques in Tajikistan. Today, according to Muslim authorities, there are more than 2,500 mosques. (p.21)

اشتراکی نظام کے تحت آنے سے پہلے یہاں جو مسلمان تھے، ان میں سے بیشتر اس مدت میں وفات پا چکے۔ اب اس علاقہ میں جو مسلم نسلیں ہیں وہ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو اشتراکی نظام کے دور میں پیدا ہوئے۔ جنھوں نے اشتراکی ماحول میں پرورش پائی اور اشتراکی اداروں میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے باوجود ان کے درمیان اسلام باقی رہا اور آزادی پاتے ہی ازسرِنو دوبارہ زندہ ہو گیا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ کوئی حکومت خواہ وہ کتنی ہی زیادہ طاقت ور ہو، وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کے اندر سے ان کے اسلامی تشخص کو مٹا دے۔ قرآن کے مطابق، خدا کا دین اب خشیت انسانی کے دور سے نکل کر خشیت ربانی کے دور میں داخل ہو چکا ہے (المائدہ ۳) اب اسلام اتنا مستحکم ہو چکا ہے کہ کوئی بھی طاقت اس کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اب اندیشہ تمام تر خدا کی طرف سے ہے نہ کہ انسان کی طرف سے۔

خدا کی طرف سے اسلام کو کامل اور مستحکم دین قرار دیا جانا اس بات کی ضمانت ہے کہ کوئی بھی طاقت اسلام کو مستقل نوعیت کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ دوسروں کی طرف سے اسلام اور اہلِ اسلام کو وقتی قسم کا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ مگر اس قسم کی کوئی حالت دیر تک باقی رہنے والی نہیں۔ جب بھی ایسا ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات میں ایسی تبدیلی لائی جائے گی کہ مخالفین اسلام کے تمام منصوبے ڈھ جائیں۔ اسلام کا سورج وقتی بدلی سے نکل کر دوبارہ آفاق میں چمکنے لگے۔

کامل مذہب

انسان کو ایک عقیدہ یا نظامِ فکر کی ضرورت ہے جو اس کے اندرونی تقاضے کا جواب ہو۔ جو اس کی زندگی کی تشریح کرے۔ جس سے وہ اپنی عملی زندگی میں رہنمائی لے سکے۔

عام مذاہب انسان کے لیے ایسا نظامِ فکر فراہم کرنے میں ناکام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مذاہب تحریف کی بنا پر اپنی واقعی حیثیت کو کھو چکے ہیں۔ ان کے اور انسانی فطرت کے درمیان مطابقت باقی نہیں رہی ہے۔ وہ زندگی کے معاملات میں صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی بنا پر آج کی تعلیم یافتہ دنیا نے ان مذاہب کو رد کر دیا ہے۔

سائنس کے ظہور کے بعد جدید انسان نے یہ سمجھا کہ سائنس اس کو وہ فکری بنیاد دے سکتی ہے جس پر وہ کھڑا ہو سکے۔ مگر یہاں ایک اور مسئلہ اس کے لیے رکاوٹ بن گیا۔ سائنس میں بھی انسان اپنے لیے مطلوبہ فکری بنیاد نہ پا سکا۔

سائنس نے انسان کو عالمِ فطرت کی دریافت میں مدد دی۔ یہ عالمِ فطرت جو اس نے دریافت کیا وہ بے حد بامعنی تھا۔ اس میں نظم تھا، اس میں ڈزائن تھی۔ اس میں منصوبہ بندی تھی۔ مگر دوبارہ سائنس کی ایک کمی سائنس اور انسان کے درمیان حائل ہو گئی۔ انسان یہاں بھی اپنے مطلوب نظامِ فکر کو حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

سائنس کی کمی یہ تھی کہ اس نے صرف "کیا ہے" کے بارہ میں بتایا۔ "کیوں ہے" کے بارہ میں وہ انسان کو کچھ نہ بتا سکی۔ گویا سائنس انسان کو ایک اچھی مشین تو دیتی ہے مگر وہ یہ نہیں بتاتی کہ اس اعلیٰ مشین کا صانع (Maker) کون ہے۔ اس مسئلہ کا حل مذہب کے پاس تھا۔ مگر جدید انسان مذہب کو پہلے ہی رد کر چکا تھا۔

انسان ایک توجیہہ پسند حیوان (explanation-seeking animal) ہے۔ وہ ہر واقعہ کی توجیہہ چاہتا ہے۔ سائنس آدمی کی اس طلب کو پورا نہیں کرتی۔ وہ واقعہ کی نشان دہی کرتی ہے مگر وہ واقعہ کی توجیہہ نہیں بتاتی۔ وہ انسان کو ایک ایسی کائنات سے متعارف کرتی ہے جس میں ڈزائن اور پلان ہے۔ مگر وہ انسان کو اس کے ڈزائنر اور اس کے پلانر کے بارہ میں کوئی خبر نہیں دیتی۔

اس کے بعد قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان مطمئن ہونے کے بجائے حیرانی میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ایسی ڈزائن کیسے یہاں موجود ہے جس کا کوئی ڈزائنر نہیں۔ ایک ایسا پلان کیسے یہاں پایا جاتا ہے جس کا کوئی پلانر نہیں۔

سائنس کی دریافت کردہ دنیا کی یہی کمی ہے جس کی بنا پر البرٹ آئن سٹائن سے لے کر ہاکنگ (Stephen Hawking) تک تمام سوچنے والے دماغ یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ کائنات میں بہت سے ایسے پہلو ہیں جن کو سمجھنا انتہائی حد تک دشوار ہے:

There are aspects in the universe which are extremely difficult to understand

اس فکری مشکل کو شروڈنگر نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ فطرت کے بارہ میں سب سے زیادہ ناقابل فہم بات یہ ہے کہ وہ قابل فہم ہے:

The most incomprehensible thing about nature is that it is comprehensible

سائنس کے بعد دوسری چیز مذہب ہے۔ مگر قوموں کے پاس جو مذہب ہے وہ (اسلام کے سوا) سب کا سب محرف ہے۔ اس لیے وہ انسانی فطرت کو اپیل نہیں کرتا۔ سائنس اس بنا پر انسان کو فکری بنیاد نہ دے سکی کہ وہ نامکمل تھی۔ اور اس کا مذہب اس بنا پر اس کو فکری بنیاد دینے میں ناکام ہے کہ وہ محرف ہے۔

یہاں انسانیت کی امید صرف ایک ہے، اور وہ اسلام ہے۔ آج اسلام ہی ایسا نظام فکر ہے جو انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ وہ ایسا مذہب ہے جس میں کوئی تحریف نہیں، وہ ایسا علم ہے جو سچی سائنس کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اسلام کا ٹکراؤ نہ انسانی فطرت سے ہے اور نہ حقیقی علم سے۔

آج کا انسان محرف مذہب اور نامکمل سائنس کی دوطرفہ مشکل کے درمیان جی رہا ہے۔ ان حالات میں انسان کی مشکل کا جواب صرف ایک ہے، اور وہ اسلام ہے۔ اگر اسلام کو وقت کی زبان اور وقت کے اسلوب میں پیش کر دیا جائے تو آج کا انسان دوڑ کر اس کو لے لے گا، کیوں کہ اس کی روح آج سب سے زیادہ اسی کی تلاش میں ہے۔

نظریاتی سپر پاور

موجودہ زمانہ میں بڑی طاقتوں کا بہت چرچا ہے۔ بڑی طاقت ہونا سب سے بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔ مگر بڑی طاقت کے نام سے لوگ صرف دو قسم کی طاقت کو جانتے ہیں۔ ایک، اقتصادی سپر پاور (economic superpower) جو آج جاپان کو حاصل ہے۔ دوسرے فوجی سپر پاور (military superpower) جو خلیج کی جنگ (۱۹۹۱) کے بعد امریکہ کو حاصل ہوگئی ہے۔

مگر خدا کی دنیا میں ایک اور امکان موجود ہے جو ان دونوں سے بھی زیادہ بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ ہے نظریاتی سپر پاور (ideological superpower) بننا۔ یعنی آدمی کے پاس ایک ایسا نظریہ ہو جو دلوں کو اپیل کرے، جو ذہن کو اس کے تمام سوالات کا جواب دیتا ہو۔ جو فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ جس انسان یا گروہ کے پاس اس قسم کا نظریہ ہو، وہ کسی مادی زور کے بغیر صرف اپنی نظریاتی قوت کے ذریعہ قوموں کو مسخر کر سکتا ہے، وہ ظاہری طاقت کے بغیر سب سے بڑی طاقت بن سکتا ہے۔

خدا کا دین یہی سب سے بڑی طاقت ہے۔ خدا کا دین تمام فکری مسائل کو حل کرتا ہے۔ وہ انسان کی اندرونی طلب کا صحیح ترین جواب ہے۔ وہ انسان کو اس کے مقصدِ حیات سے آشنا کراتا ہے۔ جو انسان خدا کے دین کو پالے، وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے سب کچھ پالیا۔ اب اس کو کچھ اور پانے کی ضرورت نہیں۔

خدا کے تمام پیغمبر یہی دین لے کر آئے۔ مگر پچھلے پیغمبروں کی تعلیمات اپنی اصل صورت میں باقی نہ رہیں۔ انسانی آمیزشوں نے ان کو محرف دین بنا دیا۔ اب زمین کے اوپر صرف ایک دین ہے جس کو خدا کا الدّین ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اور وہ پیغمبر آخر الزماں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہے۔ آپ کا دین قرآن وسنّت کی صورت میں آج بھی پوری طرح محفوظ ہے۔

اس اعتبار سے نظریاتی سپر پاور بننے کا موقع اب صرف پیغمبر اسلامؐ کے دین کے لیے ہے۔ کسی اور مذہب کے لیے نہیں —— اہل اسلام کے حق میں یہ ایک ایسا اڈوانٹیج ہے جو کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو حاصل نہیں۔

تاریخ کا تجربہ نظریہ کی فوقیت کو ثابت کرتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نظریہ نہ صرف ایک طاقت ہے بلکہ وہ سب سے بڑی طاقت ہے۔

امریکہ کے ایک ادارہ نے اپنے جائزہ (ٹائمس آف انڈیا اکتوبر ۱۹۸۹) میں پایا ہے کہ ان کے سوال نامہ کا جواب دینے والے امریکیوں میں ۶۳ فی صد ایسے لوگ تھے جن کا خیال تھا کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کے لیے سب سے بڑا چیلنج اب سوویت یونین کا فوجی خطرہ نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا چیلنج وہ اقتصادی خطرہ ہے جو جاپان جیسے ملکوں کی طرف سے پیش آرہا ہے:

A recent survey by the American Insight Group of Cambridge (Mass) found that 63 per cent of their respondents felt that the biggest foreign policy challenge is no longer a military threat from the Soviet Union, an economic threat from countries like Japan.

مگر دولت اور طاقت کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر لینے کے باوجود جاپان عالمی سطح پر وہ اہمیت حاصل نہ کر سکا جو بظاہر اسے حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے پاس اقتصادی طاقت ہے مگر جاپان کے پاس نظریہ نہیں۔ یہی بات ہے جو امریکی بینکر مسٹر مرفی (W. Taggart Murphey) نے اس طرح کہی کہ جاپان ایک ایسی سوسائٹی ہے جس کی حیثیت طاقت بغیر مقصد (Power without purpose) کی ہے۔ جاپان کے پاس دنیا کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں، سوا اپنے بارہ میں انوکھے پن کے ایک تصور کے:

Japan has nothign to offer the world — only the idea of its uniqueness.

سیاسی طاقت یا فوجی طاقت بظاہر بہت بڑی چیز معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نظریہ کی طاقت اس سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ مادی طاقت نظریہ کے بغیر بے حقیقت ہے۔ جب کہ نظریہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ مادی طاقت کے بغیر بھی ناقابل تسخیر طاقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس گروہ کے پاس ایک نظریہ ہو۔ جو انسانوں کو ایک اعلیٰ مقصد کا تصور دے سکتا ہو۔ وہ سب سے بڑی چیز کا مالک ہے۔ وہ خود اپنی بنیاد پر کھڑا ہو سکتا ہے، وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کر کے آگے بڑھ سکتا ہے۔ نظریہ دوسری چیزوں پر قیادت کرتا ہے، دوسری چیزیں نظریہ کے اوپر قائد نہیں بن سکتیں۔

برتر طاقت

قاہرہ کے عربی جریدہ آخر ساعۃ مصر (۲۱ رجب ۱۱ ۱۴ھ) نے لکھا ہے کہ اگست ۱۹۹۰ میں جب عراق نے کویت پر حملہ کیا تو اس کے بعد قاہرہ میں دکتور احمد الرائف کے مکان پر نشستیں ہونے لگیں۔ اس میں عرب علماء اور مفکرین کا منتخب طبقہ شرکت کرتا تھا۔

ایک روز مصری اہلِ علم کی ایک تعداد بیٹھی ہوئی تھی۔ گفتگو کا موضوع صدام حسین کی ضد اور جارحیت تھی اور یہ کہ اس کے نتیجہ میں امت مسلمہ کتنے بڑے سیاسی اور اقتصادی اور تہذیبی مسائل میں مبتلا ہو گئی ہے۔ ہر ایک اس خلیجی بحران پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اس پر اظہارِ خیال کر رہا تھا۔

انھیں میں سے ایک دکتور زغلول النجار تھے۔ وہ ریاض کی جامعۃ الامام محمد بن سعود میں استاد ہیں۔ وہ انگریزی اچھی جانتے ہیں۔ امریکی فوجیں جب حفر الباطن (سعودی عرب) میں ٹھہری ہوئی تھیں، اس وقت سعودی حکومت نے دکتور زغلول النجار کو حفر الباطن بھیجا تھا تاکہ وہ ان کے سامنے اسلام پر لکچر دیں۔ اس کی فرمائش خود امریکی فوجیوں نے کی تھی۔

دکتور نجار نے کہا کہ موجودہ بحران بلاشبہہ ایک سخت نامبارک واقعہ ہے۔ مگر میں آپ کو اس تاریک صورت حال میں ایک مبارک خبر سنانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ امریکی ایر فورس کے چیف نے مجھ کو مدعو کیا تھا اور فرمائش کی تھی کہ میں شرق اوسط کی تہذیب و ثقافت اور اس کے عقائد کے موضوع پر امریکی فوجوں کے سامنے لکچر دوں تاکہ وہ اس علاقہ کے لوگوں کے مذہب و تہذیب سے واقف ہو سکیں۔

اس موضوع میں اسلام اپنے آپ شامل تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے لکچر میں ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات کا تعارف کرایا اور ان کو اسلامی قدروں سے واقف کرایا۔ امریکی ایر فورس کے جنرل نے نہایت احترام کے ساتھ میرا استقبال کیا اور فوجیوں نے بہت توجہ کے ساتھ میری باتوں کو سنا۔

جب میں نے اپنا لکچر ختم کیا تو ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک امریکی پائلٹ اپنے ہزاروں ساتھیوں کے درمیان سے اٹھا اور اسی وقت اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے متعلق اظہار خیال

کرتے ہوئے بتایا کہ کئی سال سے ایسا تھا کہ مجھے اپنے اندر کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا تھا اور میں برابر اس کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں تھا۔ اس درمیان میں نے تقریباً پانچ سو کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ایک سو سے زیادہ چرچ میں گیا۔ مگر مجھے اپنی مطلوبہ چیز نہیں ملی۔ آج آپ نے اسلام کے بارہ میں جو معلومات دی ہیں ان کو سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی۔

اس کے بعد مذکورہ امریکی پائلٹ نے دکتور زغلول النجار سے کہا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بتائیے کہ میں اس کا اظہار کس طرح کروں۔ انھوں نے کہا کہ اس کا طریقہ بالکل سادہ ہے۔ آپ کلمۂ شہادت اپنی زبان سے ادا کیجئے۔ آپ کہئے : اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ پائلٹ نے فوراً کلمہ پڑھا اور لکچر ہال میں سب کے سامنے کئی بار اس کو دہرایا۔

دکتور زغلول النجار نے بتایا کہ اس کے بعد حفر الباطن کے امریکی فوجیوں کے درمیان اسلام کا چرچا ہوا۔ لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک فوجی کرنل نے انھیں بتایا کہ یہاں اسلام قبول کرنے والے امریکی فوجیوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔

خلیجی بحران کے زمانہ میں امریکہ ایک سپر پاور کی حیثیت سے عرب دنیا میں آیا۔ اس نے مسلم قوموں کے اوپر اپنی مادی برتری قائم کر لی۔ مگر عین اسی وقت ایک میدان ایسا تھا جہاں اہلِ اسلام کو امریکہ کے اوپر ناقابل تسخیر برتری حاصل تھی۔ یہ عقیدہ اور نظریۂ حیات کا میدان تھا۔ امریکی فوجی مادی اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود مجبور تھے کہ وہ فکری اور روحانی اعتبار سے اسلام کے آگے جھک جائیں۔

اسلام اپنی ذات میں ایک طاقت ہے۔ وہ ہر فوجی اور مادی طاقت کے اوپر غالب آتا ہے۔ اسلام کے پاس بظاہر فوجی اور مادی طاقت نہ ہو تب بھی وہ سب سے بڑی طاقت ہے۔ کیوں کہ وہ خود ان لوگوں کو مسخر کر لیتا ہے جو فوجی اور مادی طاقت کے مالک بنے ہوئے ہوں۔

مذہب ہر آدمی کی ضرورت ہے۔ مذہب ہر آدمی کی فطرت کی پکار ہے۔ آدمی خود اپنی اندرونی طلب کے تحت مجبور ہے کہ وہ مذہب کی تلاش کرے۔ مگر اسلام کے سوا جتنے مذاہب ہیں ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ اس بنا پر انھوں نے فطرت سے اپنی مطابقت کھو دی ہے۔ اسلام ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ اس لیے آج اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو آدمی کی فطری طلب کا حقیقی جواب بن سکتا ہے۔

اسلام کی برکت

منگولیا کے پہاڑی علاقہ میں بسنے والے قبائل کے سردار کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے بعد کو چنگیز خاں (۱۱۶۲ - ۱۲۲۷) کے نام سے شہرت پائی۔ وہ نہایت لائق اور حوصلہ مند آدمی تھا۔ اس نے وحشی قبائل کو متحد کرکے ایک فوج بنائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے کہ وہ سارے عالم کو فتح کرے۔

اولاً چنگیز خاں اور اس کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے عالمی فتح کے اس منصوبہ کے لیے نکل پڑے۔ یہ لوگ جو تاریخ میں تاتاری یا منگول (Mongols) کہے جاتے ہیں، انھوں نے مشرقی یورپ سے لے کر چین اور ہندستان تک آباد دنیا کے بڑے حصہ میں تباہی برپا کر دی۔ ۱۲۲۰ میں وہ ترکستان میں داخل ہوئے۔ ایک وسیع علاقہ میں انھوں نے عمارتیں ڈھا دیں، شہریوں کو قتل کر ڈالا۔ آبپاشی کے نظام کو تہ و بالا کر دیا (18/793) ۱۲۵۸ میں انھوں نے بغداد کے عالیشان شہر کو کھنڈر بنا ڈالا (2/586) وغیرہ، وغیرہ۔

ان وحشی قبائل کی یہ تباہ کاری مشرقی یورپ تک پہونچ گئی تھی۔ انھوں نے ۴۲-۱۲۴۱ میں پولینڈ پر حملہ کیا۔ انھوں نے روتھینیا (Red Ruthenia) کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ یہاں سے وہ پولینڈ پر غارت گرانہ حملہ کرتے تھے۔ ان مسلسل حملوں نے پولینڈ کو تباہ و برباد کر دیا تھا:

... from this base their repeated raids devastated Poland (14/639).

ان منگولوں (تاتاریوں) کی تباہ کاری کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ اس کو تاریخ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیا چیز تھی جس نے وحشت و بربریت کے اس طوفان سے دنیا کو نجات دی۔ یہ صرف اسلام کی تسخیری طاقت تھی۔ ۱۲۵۸ میں جب وہ مسلم دنیا میں فاتح بن کر داخل ہوئے تو اسلام نے ان کے قلب و روح کو مسخر کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تقریباً نصف صدی کے اندر مسلم قوموں کو بھی ان کے ظلم سے نجات مل گئی اور اسی کے ساتھ بقیہ دنیا کو بھی ـــــ آج دوبارہ دنیا کے انسان اس انتظار میں ہیں کہ اسلام وقت کے "تاتاریوں" کی روح کو مسخر کرے اور انسانی سماج دوبارہ امن اور انصاف کا گہوارہ بن جائے۔

اسلام آدمی کی زندگی کو بامعنی زندگی بناتا ہے۔ اسلام کے اندر ہر آدمی کے لیے افادیت ہے۔ اسلام ہر آدمی کی تلاش کا صحیح ترین جواب ہے۔

ڈاکٹر جارودی (Roger Garaudy) فرانس میں ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ وہ عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ۱۹۳۲ء کے مشہور اقتصادی بحران نے ان کے ذہن پر اثر ڈالا۔ وہ فرانس کی کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے، تاہم ان کو ذہنی اطمینان نہ مروجہ مسیحیت میں ملا اور نہ کمیونزم میں۔ بعد کو انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور ۱۹۸۲ء میں اسلام قبول کرلیا۔

ڈاکٹر جارودی کو ۱۹۸۶ء میں شاہ فیصل فاؤنڈیشن کے تحت خدمت اسلام کا نصف ایوارڈ دیا گیا۔ اس موقع پر ریاض میں ایک تقریب ہوئی جس میں ڈاکٹر جارودی نے اپنے حالات کے بارہ میں مفصل تقریر کی۔ یہ تقریر انھوں نے فرانسیسی زبان میں کی تھی۔ اس کا مکمل عربی ترجمہ سعودی اخبار الریاض (۲ رجب ۱۴۰۶ھ، ۱۲ مارچ ۱۹۸۶ء) میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر جارودی کا ذہن جب کمیونزم سے ہٹا اور وہ مذہب کی جانب مائل ہوئے تو ابتداءً ان کا میلان مسیحیت کی طرف ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلیا۔ اسلام میں انھوں نے اپنے پورے ذہنی اطمینان کو پالیا۔ الحاد سے اسلام کی طرف اپنے اس سفر کو بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ کرکے گارڈ (Kierkegaard) کے الفاظ میں، اپنی زندگی کو بامعنی بنا سکوں (حتى اعطى لحياتى معنى)

زندگی میں معنویت کی تلاش ایک فطری جذبہ ہے۔ وہ ہر آدمی کے اندر لازمی طور پر اور پیدائشی طور پر پایا جاتا ہے۔ اپنی اس اندرونی تلاش کا جواب پانے کے لیے وہ ہر طرف دوڑتا ہے۔ مگر دوسری تمام چیزوں میں اس کا جواب یا تو سرے سے موجود نہیں ہے یا اگر ہے تو جزئی طور پر ہے۔ اس لیے دوسری چیزوں میں انسان کو یہ تسکین نہیں ملتی کہ اس نے اپنی تلاش کا صحیح اور کامل جواب پالیا ہے۔

اس تلاش کا صحیح اور مکمل جواب صرف خدا کے محفوظ دین ——— اسلام میں موجود ہے۔ اسلام کی یہ امتیازی صفت اس کی دعوتی کامیابی کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

اسلام کی اثر انگیزی

شیخ محمد بدرالاسلام فضلی بی اے ، بی ٹی (علیگ) ہندستان سے جاپان گیے۔ انگریزی دور کی ہندستانی حکومت نے ان کا تقرر ٹوکیو کے اسکول آف فارن لینگویجز میں کیا تھا۔ وہ وہاں اردو اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

مسٹر فضلی دسمبر ۱۹۳۰ میں سمندری جہاز سے جاپان پہونچے۔ وہ اپریل ۱۹۳۲ تک وہاں مقیم رہے۔ جاپان کے حالات اور اپنے سفر کی روداد پر انھوں نے اسی زمانہ میں ایک کتاب "سیاحت جاپان" لکھی تھی۔ یہ کتاب چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۳۴ میں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) سے شائع ہوئی تھی۔ مطبع کا نام کتاب پر "جامع برقی پریس دہلی" لکھا ہوا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں جو واقعات نقل کیے ہیں ، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ انسائیکلوپیڈیا میں اسلام پر مقالہ لکھنے کے لیے ایک جاپانی فاضل نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اس سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں ان کے اپنے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں:

"جمعہ کے روز نماز کے لیے مسجد گیا۔ ۵۰ نمازی جمع ہوئے۔ ہر شخص ہیٹ کے نیچے ایک گول مخمل کی ٹوپی پہن کر آیا تھا۔ نیچے کی منزل میں اور زینہ پر بہت سی کھونٹیاں دیوار پر لگی ہوئی ہیں۔ ہیٹ ان پر ٹانگ دی اور گول ٹوپی پہن کر اوپر کے ہال میں جہاں نماز ہوتی ہے ، جمع ہوئے۔ بعض لوگوں نے نیچے کی منزل میں وضو بھی کیا۔

نماز کے بعد تمام نمازیوں سے مصافحہ ہوا۔ یہیں ایک جاپانی صاحب سے بھی تعارف ہوا۔ یہ بھی نماز میں شریک تھے۔ ایک روسی مسلمان مسٹر صابر جمیل نے مجھ کو اور جاپانی مسلمان صاحب کو جن کا نام مسٹر سبورو تھا۔ اسی وقت چائے نوشی کی دعوت دی۔ صابر صاحب مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان میں رہتے ہیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ عائشہ نے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات کی۔

مسٹر سبورو سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ اسلام کی کس خوبی نے آپ کو اس طرف مائل کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ ان سے جاپانی انسائیکلوپیڈیا میں اسلام کے متعلق آرٹیکل لکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ اور تحقیق کے بعد

خود بخود اسلام کی حقانیت ان پر روشن ہو گئی۔ اور بغیر کسی خارجی تحریک کے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ اسلام کی بے شمار خوبیاں ہیں۔ مگر دو خوبیوں نے خصوصاً ان پر بڑا اثر کیا۔ اول توحید اور ثانیاً مذہبی رواداری۔ مسٹر سبورو ٹوکیو میں تنہا جاپانی مسلمان ہیں۔ ان کے علاوہ تمام جاپان میں معدودے چند جاپانی مسلمان ہیں۔" سیاحت جاپان، صفحہ ۱۴۲ - ۱۱۱

ماضی اور حال کی تاریخ میں اس طرح کے واقعات کثرت سے پائے جاتے ہیں جب کہ کسی آدمی نے اتفاقاً کسی اور مقصد کے تحت اسلام کی کتابوں کو پڑھا۔ پڑھنے سے پہلے وہ سمجھتا تھا کہ وہ صرف معلومات کے لیے اسلام کو پڑھ رہا ہے۔ مگر جب اس نے اسلام کو پڑھا تو وہ اس سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ اس نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کامل معنوں میں ایک فطری مذہب ہے۔ انسان کی فطرت میں جو احساسات غیر ملفوظ حالت میں چھپے ہوئے ہیں، اسلام انھیں احساسات کو ملفوظ حالت میں بیان کرتا ہے۔ اسلام ہر آدمی کے اپنے دل کی آواز ہے۔

چنانچہ جب کوئی شخص اسلام کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ حیرت انگیز طور پر محسوس کرتا ہے کہ وہ خود اپنے دل کی کتاب کو پڑھ رہا ہے۔ یہ احساس اس کو مجبور کرتا ہے کہ جس اسلام کو اس نے صرف پڑھا تھا، اس کو وہ عملاً بھی اختیار کر لے۔ اسلام کو جان لینے کے بعد اس کو نہ ماننا خود اپنا انکار بن جاتا ہے، اور کون ہے جو خود اپنا انکار کرنے کا تحمل کر سکے۔

اسلام کی عمومی اشاعت کے لیے جو واحد شرط مطلوب ہے وہ صرف یہ کہ داعی اور مدعو کے درمیان نفرت کی فضا کو ختم کر دیا جائے۔ نفرت کی فضا ختم ہوتے ہی اسلام اپنے آپ اپنا کام کرتا ہے۔ وہ خود ہی لوگوں کے دلوں میں پہنچنے کے لیے اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔

نفرت کی فضا دو طرفہ طور پر ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ فضا جب بھی ختم ہو گی یک طرفہ طور پر ختم ہو گی یہ یک طرفہ ذمہ داری داعی کو قبول کرنا ہے۔ یہ کام داعی کو کرنا ہے کہ وہ مدعو کی زیادتیوں پر یک طرفہ طور پر صبر کرے تاکہ نفرت کا ماحول ختم ہو اور داعی اور مدعو کے درمیان وہ معتدل فضا قائم ہو جس میں دین حق کی آواز بلا روک ٹوک لوگوں تک پہنچنے لگے۔ جب اسلام کوشش کے بغیر لوگوں کو متاثر کر رہا ہو تو کوشش کے بعد وہ کتنا زیادہ لوگوں کو متاثر کرے گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

آنے والی صدی

دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے عالمی سیاست میں جو فوقیت حاصل کی۔ اس کے بعد سمجھا جانے لگا تھا کہ اب امن برطانیہ (Pax Britanica) کا دور ختم ہو گیا، اور امن امریکہ (Pax Americana) کا دور شروع ہو گیا ہے۔ ۱۹۹۰ میں ایک طرف خلیج کی جنگ میں غیر معمولی فتح اور دوسری طرف روس کے سپر پاور کی حیثیت سے خاتمہ نے امریکی دانشوروں کو اس یقین تک پہنچایا ہے کہ اب انسانی تاریخ امریکی بالادستی کے دور میں داخل ہو گئی ہے۔ اور اکیسویں صدی بلاشبہہ امریکی صدی (American century) ثابت ہو گی۔

موجودہ زمانہ میں امریکہ مغربی تہذیب کا قائد ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کو مغربی تہذیب کی برتری کے ہم معنی سمجھا جا رہا ہے۔ ممتاز امریکی دانشور فرانسس فوکویامی (Francis Fukuyame) نے اس سلسلہ میں متعدد آرٹیکل امریکی اور غیر امریکی جرنلوں میں شائع کیے ہیں۔ تین حوالے یہ ہیں :

The End of History, *The National Interest*, Summer 1989
Are We Witnessing the End of History, *Sunday Star*, September 1989
Are We at the End of History, *Fortune*, January 1990

ان کا کہنا ہے کہ موجودہ صدی جو اپنے خاتمہ کو پہنچ رہی ہے وہ اقتصادی اور سیاسی آزادی کے اصول کی واضح فتح (unabashed victory of economical and political liberalism) پر منتج ہوئی ہے۔ ہم غالباً انسانیت کے نظریاتی ارتقاء کے نقطۂ کمال کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور یہ کہ مغرب کی آزاد جمہوریت اب انسانی حکومت کے آخری نظام کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آگئی ہے :

We may be witnessing the end point of mankind's ideological evolution and the emergence of western liberal democracy as the final form of human government.

اسی قسم کا دعویٰ ۷۵ سال پہلے کمیونسٹ روس نے کیا تھا، اب یہی دعویٰ سرمایہ دار امریکہ کر رہا ہے۔ مگر اشتراکی ڈکٹیٹر شپ کا جو انجام ہوا، وہی انجام یقینی طور پر مغربی لبرلزم کا بھی ہونے والا ہے۔

زندگی کی تشکیل میں دو چیزوں کا دخل ہے۔ ایک نظام اور دوسرے، نظام کو چلانے والے افراد۔ نظام کے لیے انسانی افراد کی ضرورت ہے اور انسانی افراد کے لیے نظام کی۔ مگر ایک مسئلہ ہر نظام کو درپیش رہتا ہے۔ وہ انسان کی یہ کمزوری کہ جب بھی اس کو اختیار دیا جاتا ہے، وہ اپنے اختیار کے استعمال میں حد پر نہیں ٹھہرتا، وہ حد بندیوں کو توڑ کر اس کے باہر چلا جاتا ہے۔

آزادی اچھی چیز ہے۔ لیکن آزادی اسی وقت اچھی ہے جب کہ اس کو محدود دائرہ میں استعمال کیا جائے۔ مگر انسان کو جب آزادی دی جائے تو وہ اس کو کامل آزادی تک لے جانا چاہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر آزادی کی نفی ہو جاتی ہے، اس کے بعد انسانی سماج میں بگاڑ کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ امریکہ میں انسان کو آزادی دی گئی۔ مگر اس کے بعد یہ ہوا کہ لوگ حد پر نہیں رکے۔ ہر آدمی اپنی آزادی کو لامحدود آزادی کے طور پر استعمال کرنے لگا۔ اس کے نتیجہ میں طرح طرح کے سماجی فساد پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ اسکنر (B.F. Skinner) جیسے مفکرین پیدا ہوئے جنھوں نے اعلان کیا کہ ہم آزادی کا تحمل نہیں کر سکتے (We can't afford freedom)

اس کے مقابلہ میں دوسرا نظام جبر کا نظام ہے جس کو اشتراکی اصطلاح میں "مزدور کی ڈکٹیٹر شپ" کا نام دیا گیا ہے۔ مگر وہ بھی نہایت مہلک ثابت ہوا۔ جن انسانوں کو نظام جبر قائم کرنے کا اختیار دیا گیا انھوں نے اس کو لوگوں کے اوپر کامل جبر نافذ کرنے کے لیے استعمال کیا۔ جبر میں جزئی افادیت تھی۔ مگر اپنی حد سے آگے بڑھنے کے بعد اس نے اپنی افادیت کھو دی۔ چنانچہ "مزدور ڈکٹیٹر شپ" تاریخ کی بدترین شہنشاہیت کے ہم معنی بن گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ آزادی کا نظام ہو یا جبر کا نظام، دونوں کے لیے ایک ایسی مزید آئیڈیالوجی کی ضرورت ہے جو انسانی ارادہ کو کنٹرول کرے، جو انسان کو اپنی جائز حد پر رہنے کے لیے مجبور کر سکے۔ یہ آئیڈیالوجی صرف مذہب فراہم کرتا ہے۔ اب چونکہ دوسرے تمام مذاہب تحریف کی بنا پر ناقابل اعتبار ہو چکے ہیں، اس لیے اب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس آئیڈیالوجی کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے، اب اسلام ہی مذہب کا واحد نمائندہ ہے، اس لیے اب اسلام ہی ہے جو کسی نظام کی اس لازمی ضرورت کو پورا کر سکے۔ اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آنے والا دور پیکس امریکانا نہیں ہے بلکہ پیکس اسلامیکا (Pax Islamica) ہے، اگرچہ سطحی لوگ اس کو نہیں سمجھتے۔

دین محفوظ کی طاقت

۱۹۴۷ سے پہلے کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ جب کہ ہندستان میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ ایک پادری صاحب دہرہ دون میں تقریر کر رہے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک مجمع ان کی تقریر سن رہا تھا۔ وہ اپنی تقریر میں یہ ثابت کر رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں اور انسانوں کی نجات صرف اس میں ہے کہ وہ آپ کی ابنیت اور کفارہ کے عقیدہ پر ایمان لائیں۔

مجمع میں ایک نوجوان مولوی بھی موجود تھے۔ وہ جلد ہی مدرسہ سے پڑھ کر نکلے تھے۔ پادری کی تقریر سن کر انھیں جوش آگیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔ خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ مولوی ابھی نوعمر تھے جب کہ پادری کافی تجربہ کار ہو چکا تھا۔ اس نے مولوی صاحب کو اپنے دلائل میں اس طرح الجھایا کہ بظاہر وہ لاجواب ہونے لگے۔

مجمع میں ایک جاہل مسلمان بیٹھا ہوا تھا جو معمولی تجارت کر کے اپنا کام چلاتا تھا۔ اس کو یہ منظر دیکھ کر غیرت آئی۔ وہ اٹھ کر مولوی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ بیٹھ جائیے۔ یہ پادری جاہل ہے۔ اور میں بھی جاہل ہوں۔ جاہل کا مقابلہ جاہل ہی کر سکتا ہے، یہاں عالم کا کوئی کام نہیں۔

اس مسلمان نے پادری صاحب سے کہا۔ اب بتائیے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ پادری نے پُراعتماد لہجہ میں دہرایا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

مسلمان نے بات کو مزید پختہ کرنے کے لیے کہا کہ آپ کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ میاں ان کے باپ ہیں، پادری نے کہا ہاں۔ اب مسلمان نے پوچھا، اچھا یہ بتائیے کہ اللہ میاں کی عمر کتنی ہوگی۔ پادری نے کہا کہ بے وقوف، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اللہ میاں ازل سے ابد تک ہیں۔ ان کی عمر کیسے متعین کی جاسکتی ہے۔ عمر تو اس کی ہوتی ہے جو محدود ہو، خدا تو لامحدود ہے۔ مسلمان نے دوبارہ سوال کیا کہ ٹھیک ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ اتنی لمبی زندگی میں اللہ میاں کے یہاں کتنی اولاد ہوئی۔ پادری نے کہا صرف ایک، عیسیٰ مسیح، وہ اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ مسلمان نے کہا۔ لاحول ولا قوۃ، مجھے دیکھو۔ میری عمر ۵۲ سال کی ہے۔ اور میں ۱۲ بچے پیدا کر چکا ہوں۔ اللہ میاں کی عمر اربوں اور کھربوں سال سے بھی زیادہ ہے اور آپ بتاتے ہیں کہ ان کے یہاں صرف ایک اولاد ہوئی۔

جب میرے جیسے آدمی کے یہاں ۱۲ اولاد ہوگئی تو اللہ میاں کے ایک ہی کیوں۔

عوام نے یہ سن کر فوراً تالی بجادی۔ پادری صاحب نے کچھ جواب دینا چاہا مگر تالیوں کی گونج میں ان کی آواز دب گئی۔ لوگوں نے پادری سے کہا کہ بس اب بات ختم ہوگئی۔ تمہارے پاس مسلمان کی بات کا کوئی جواب نہیں۔ اگلے دن اشتہار چھپ گیا کہ دہرہ دون میں مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ میں مسلمانوں کی جیت ہوئی اور پادری صاحب بری طرح ہار گئے۔

اسلام ایک محفوظ اور غیر محرف مذہب ہے، اور مسیحیت ایک غیر محفوظ اور محرف مذہب۔ اسی فرق کا یہ کرشمہ تھا کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ پادری کے مقابلہ میں ایک جاہل مسلمان کو فتح حاصل ہوئی۔

کوئی مذہب جب محفوظ حالت میں ہو تو وہ عین فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہی اس کو سمجھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہ خصوصیت اس کو انتہائی حد تک طاقت ور بنا دیتی ہے۔ یہ فطری طاقت آج صرف اسلام کو حاصل ہے۔ کیوں کہ آج اسلام ہی واحد مذہب ہے جو تحریف اور ملاوٹ سے پاک ہے۔ وہ اپنی اصل صورت میں محفوظ ہے۔ جب کہ دوسرے تمام مذاہب تحریف کے نتیجہ میں اپنی فطری سادگی کو کھو چکے ہیں۔ دوسرے مذاہب کی نمائندگی صرف ان کے علما ہی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اسلام کی نمائندگی ایک عام مسلمان بھی بخوبی طور پر کر سکتا ہے۔

اسلام کی اس خصوصیت کی بنا پر یہ ممکن ہوگیا ہے کہ ایک عام مسلمان بھی اس کا مبلغ بن جائے۔ ایک عام مسلمان بھی بڑے بڑے لوگوں سے مقابلہ کرکے اسلام کی حقانیت ثابت کر سکے۔

اسلام کی اس صفت نے اسلامی دعوت کی تسخیری قوت کو آخری حد تک بڑھا دیا ہے۔ اس نے اسلام کو ناقابلِ شکست حد تک ایک فاتح مذہب بنا دیا ہے۔

دوسرے مذاہب میں کسی کو اس مذہب کا مبلغ بنانا ہو تو اس کو خصوصی تربیت دینا ضروری ہوتا ہے۔ ان مذاہب کی تعلیمات اتنی پیچیدہ اور عقل عام سے اتنی ہٹی ہوئی ہیں کہ عام آدمی کے لیے ان کا مبلغ بننا ممکن نہیں۔ عام آدمی صرف ان کا مقلدانہ پرستار بن سکتا ہے وہ ان کا داعی اور مبلغ نہیں بن سکتا۔ مگر اسلام عین عقل عام کے مطابق ہے۔ اس لیے ہر آدمی خود اپنی فطری عقل کے ذریعہ اسلام کا داعی بن سکتا ہے۔ اسلام کا داعی اور مبلغ بننا اتنا ہی آسان ہے جتنا خود اپنی فطرت کی آواز کو لفظوں میں بیان کرنا۔

کون سا مذہب

ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۹۷۵- ۱۸۸۸) ہندستان کے مشہور مصنف اور فلسفی تھے۔ ان کی ایک کتاب وہ ہے جس کا نام مذہب اور کلچر (Religion and Culture) ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے دکھایا ہے کہ مذہب انسان کے لیے لازمی طور پر ضروری ہے۔ مذہب کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں کہ سوال مذہب یا بے مذہب کا نہیں بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کس قسم کا مذہب:

There is no question of religion or no religion, but what kind of religion.

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے جس قسم کے مذہب کی وکالت کی ہے، وہ مذہب وہ ہے جو وحدتِ ادیان پر عقیدہ رکھتا ہو۔ یعنی یہ تصور کہ ایک ہی آفاقی حقیقت ہے جو ہر مذہب میں ظاہری فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

یہ نظریہ دراصل جزء پر کل کو قیاس کرکے وضع کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ دو مختلف سچائیوں میں جزئی فرق ہو سکتے ہیں، تاہم اس جزئی فرق کے باوجود دونوں سچائیاں ایک مانی جائیں گی۔ مگر جب فرق کلی نوعیت کا ہو، مثلاً ایک مذہب کہے کہ خدا ہے، اور دوسرا مذہب کہے کہ مستقل بالذات حیثیت سے خدا کا کوئی وجود نہیں، اس طرح کے فرق جہاں پائے جائیں وہاں کوئی ایک ہی مذہب سچا ہوگا نہ کہ دونوں مذہب۔

مذہب کی ایک قسم وہ ہے جو ذاتی تجربات کو مذہب کی بنیاد بتاتی ہے۔ اس قسم کا مذہب سراسر ناقابلِ قبول ہے۔ کیوں کہ اصل سوال استناد کا ہے۔ ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو مذہب بنے، اس کو مستند نہیں کہا جا سکتا، اس لیے وہ قابلِ قبول بھی نہیں ہو سکتا۔

وہ کون سا مذہب ہے جس کو اختیار کیا جائے۔ خالص علمی اعتبار سے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مذہب جو ثابت شدہ ہو۔ یعنی وہ مذہب جو تاریخ کے معیار پر مستند ثابت ہو۔ وہ مذہب جس کا پیغمبر تاریخی پیغمبر ہو۔ جس کی دی ہوئی کتاب اپنی اصل صورت میں محفوظ ہو۔ جو تاریخ کی کسوٹی پر پوری طرح معتبر قرار پاتا ہو۔

اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اسلام اور فطرت دونوں ایک دوسرے کے مثنیٰ ہیں۔ اسلام کو جاننے کے بعد آدمی اس طرح اس کو قبول کرتا ہے گویا وہ اس کے اپنے دل کی بات ہو۔

مس سینڈرا اسٹرلنگ (Sandra Sterling) ایک امریکی خاتون ہیں۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب ان کا نیا نام عالیہ اسٹرلنگ (Alia Sterling) ہے۔ وہ امریکہ کی راجدھانی واشنگٹن میں رہتی ہیں۔

انھوں نے اپنے حالات بتاتے ہوئے کہا کہ ایک روز مجھے گھر کی الماری میں کچھ کتابیں ملیں۔ یہ کتابیں میری ماں نے اس وقت خریدی تھیں جب کہ وہ میری دادی کے ساتھ قاہرہ میں رہتی تھیں۔ میری دادی قاہرہ کے امریکی سفارت خانے میں ایک عہدہ دار تھیں۔ ان کتابوں میں ایک قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔ میں نے اس ترجمہ کو پڑھنا شروع کیا۔ اس کے مطالعہ سے میری دل چسپی بڑھی۔ اس کے بعد میں نے واشنگٹن سے اسلام کی تاریخ اور پیغمبر کی سیرت پر مزید کتابیں حاصل کیں اور ان کا مطالعہ کیا۔ اس طرح اسلام کی طرف میرا سفر شروع ہوا۔ اسلام نے مجھے ان تمام سوالوں کا جواب دیدیا جو میرے ذہن میں موجود تھا:

Islam answered all the questions I had in mind.

اسلام کی بنیاد توحید پر ہے۔ اور یہ چیز اس کو تمام دوسرے مذاہب سے الگ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یہودیت بھی ایک خدا کی بات کرتی ہے۔ مگر اس مذہب کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ خدا نے اپنی تمام نعمتیں صرف ایک قوم (یہود) کے لیے خاص کر دی ہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا جب ہر چیز کا خالق ہے تو اس نے اپنی نعمتوں کو کسی ایک گروہ کے لیے کیوں مخصوص کر دیا۔

دوسری طرف مسیحیت کا یہ حال ہے کہ وہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتی ہے۔ یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور نہ یہ سمجھ میں آتا کہ خدا کی خدائی میں کوئی اور حصہ دار ہو سکتا ہے۔ ان باتوں پر میں بہت عرصہ تک غور کرتی رہی۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

Islamic Voice, Bangalore, November 1987.

آدمی کی فطرت میں مطلوب دین کا ماڈل پیدائشی طور پر موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی جب دین حق کو جانتا ہے تو وہ فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے، کیوں کہ وہ اس کے معلوم ماڈل کے عین مطابق تھا۔

نیا مستقبل

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے۔ اس کو ہر حال میں محفوظ اور قائم رہنا ہے۔ اس لیے شروع سے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بڑا عجیب رہا ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کو مکہ سے نکالا جا رہا تھا تو وہ مدینہ میں داخل ہو کر اپنے لیے عالمی فتوحات کے دور کا آغاز کر رہا تھا۔

عباسی دور میں جب تاتاریوں نے خلافت کے قلعہ کو مسمار کر دیا تو اسی قلعہ کے ملبہ سے وہ نیا شاندار دور برآمد ہو گیا جو ترکی میں عثمانی خلافت اور برصغیر ہند میں مغل شہنشاہیت کے روپ میں ظاہر ہوا۔ آج بیسویں صدی عیسوی کے آخر میں اسلام دوبارہ ایک نئے عہد کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے۔ ایک ایسا دروازہ جس میں داخل ہو کر خدا کا دین پوری دنیا کو روشنی اور زندگی دینے کا ذریعہ بن جائے۔

برصغیر ہند کے سیاسی لیڈروں نے ۱۹۴۲ میں کوئٹ انڈیا (Quit India) کا نعرہ دیا تھا۔ یعنی اے انگریزو، ہندستان چھوڑ دو۔ اس نعرہ کے بعد انگریز کی عظیم شہنشاہیت ہل گئی۔ یہاں تک کہ صرف پانچ سال کے اندر، ۱۹۴۷ میں اس کو مکمل طور پر ہندستان کو چھوڑ دینا پڑا۔ وہ ہندستان کو ہندستانیوں کے حوالے کر کے اس ملک سے واپس چلے گئے۔

آج یہ واقعہ بالکل سادہ سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ۱۹۴۷ سے پہلے یہ ایک انوکھا واقعہ تھا۔ حتی کہ بہت سے لوگ آخر وقت تک اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ۱۹۴۶ میں میں کانپور میں تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت کانپور کے ایک اردو اخبار نے اپنے اڈیٹوریل میں لکھا تھا کہ انگریز آزادی کی بات کر کے ہندستانیوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ بھلا وہ اس سونے کی چڑیا کو چھوڑ کر یہاں سے جا سکتا ہے۔ مگر پندرہ اگست ۱۹۴۷ کو ساری دنیا نے جان لیا کہ یہ انوکھا واقعہ ہو گیا اور انگریز ہندستان کو ہندستانیوں کے حوالے کر کے چلا گیا۔

اسی طرح آج اسلام کے احیاء کے لیے بھی شاندار امکانات موجود ہیں۔ جو لوگ صرف ظاہری چیزوں کو دیکھنے والی نظر رکھتے ہیں۔ انھیں اس قسم کی بات محض خوش فہمی معلوم ہوتی ہے۔ مگر حالات کو زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو یہ بات عین ہونے والی بات نظر آنے لگے گی۔ آج ہمیشہ سے زیادہ یہ موقع ہے کہ اسلام کو دوبارہ عالمی فکری طاقت کا درجہ دیا جا سکے۔

موجودہ زمانہ میں بے شمار تمدنی اور سائنسی ترقیاں وجود میں آئی ہیں۔ یہ ترقیاں کیسے وجود میں آئیں۔ یہ سب کی سب شرک (مظاہر پرستی) کے خاتمہ اور توحید کے غلبہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ ترقیاں اگرچہ آج بظاہر مادی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں مگر حقیقۃً وہ دینی مقصد کے لیے تھیں۔ وہ دین کے کام کے لیے دینی انقلاب کے ذریعہ ظہور میں آئیں۔

موجودہ تمدنی اور سائنسی ترقی دین کی معاون ترقی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تمام ترقیاں درحقیقت دعوت دین کے نئے امکانات تھے۔ یہ خدا کے داعیوں کی راہ سے ہر قسم کی مشکلات کو ہٹا کر ان کے کام کو سہل بنانا تھا۔ اس اعتبار سے یہ تمام ترقیاں گویا اس دعا کی تکمیل ہیں جو قرآن میں ان الفاظ میں سکھائی گئی تھی: ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا (خدایا، ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے کی امتوں پر ڈالا تھا)

موجودہ انقلاب کے نتیجہ میں انتہائی نئے دعوتی امکانات کھل گئے جنھوں نے دعوتِ حق کے کام کو بالکل آسان بنا دیا، یہ سارے نئے امکانات اسی دعا کی قبولیت کے ہم معنی ہیں۔ جدید مواصلات اس لیے ہیں کہ حق کی آواز کو انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سارے عالم میں پھیلایا جائے۔ جدید انکشافات اس لیے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے توحید کی دعوت کو سائنٹفک سطح پر مدلل کر کے پیش کیا جائے۔ جمہوری انقلاب اس لیے آیا کہ کسی رکاوٹ کے بغیر دعوت کے کام کو جاری کیا جا سکے۔ جغرافی فاصلے اس لیے کم کیے گئے کہ خدا کے سفیر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکیں اور قبل اس کے کہ موت کا فرشتہ لوگوں کے پاس آئے انھیں زندگی کے بارہ میں خدا کی اسکیم سے باخبر کر دیں۔

اس انقلاب میں دنیوی فائدے کی حیثیت ایک مزید فائدے کی تھی۔ زندگی کی آسائشیں، وسیع تجارت کے امکانات، وغیرہ سب درحقیقت ضمنی فائدے تھے۔ وہ اصل دعوتی کام کی دنیوی مزدوری تھے۔ مگر اصل کام ہونے سے رہ گیا اور ساری دوڑ دھوپ صرف مزدوری وصول کرنے پر متحکز ہو گئی۔

دور جدید اپنے تمام نئے امکانات کے ساتھ اہل اسلام کو پکار رہا ہے کہ اٹھو اور نئے مواقع کو استعمال کر کے آج کی دنیا میں اسلام کی اشاعت کرو۔ اسلام کی فکر اور اس کی تعلیمات کو ساری دنیا میں پھیلا دو۔ جدید دنیا کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کو رب العالمین کے بے آمیز دین سے آگاہ کیا جائے، اور یہ بے آمیز دین آج اسلام کے سوا اور کہیں موجود نہیں۔

ایک اعتراف

۱۹۷۶ میں لندن میں جشن اسلام (Festival of Islam) کے نام سے ایک تقریب منائی گئی تھی۔ اس موقع پر لندن کے مشہور اخبار ٹائمس (۲ اپریل ۱۹۷۶) نے اپنا ایک خصوصی نمبر شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا اسلامی دنیا (The World of Islam)

ٹائمس کی اس خصوصی اشاعت میں ولفرڈ بلنٹ (Wilfred Blunt) کے قلم سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ اس مقالہ میں موصوف نے لکھا تھا کہ انسان کی پوری لمبی تاریخ میں شاید اس سے زیادہ اچنبھے میں ڈالنے والا کوئی واقعہ نہیں ہے جیسا کہ غیر معمولی تیز رفتاری کے ساتھ اسلام کا پھیلاؤ۔ کون اندازہ کر سکتا تھا کہ درمیانی عمر کا ایک شخص جو کسی وقت مکہ کا تاجر اور تجارتی قافلہ کا سردار ہو، جس کو ۶۲۲ء میں اس کے وطن سے نکال دیا گیا ہو اور وہ مدینہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا ہو، وہ ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھے گا جو اس کی موت کے ایک صدی کے اندر مہذب دنیا کے آدھے حصہ میں قائم ہو جائے گا۔ جو مغرب میں فرانس کے قلب تک پہونچ جائے گا اور مشرق میں وہ دریائے سندھ کو عبور کر کے چین کی سرحد تک جا پہونچے گا۔

ولفریڈ بلنٹ مزید لکھتے ہیں کہ فرض کرو کہ اسلام کا یہ سیلاب نہ آتا تو کیا ہوتا۔ مغرب میں سائنس کی ترقی کی تاخیر کی سب سے بڑی وجہ رومی ہندسہ کا بے ڈھنگا پن تھا۔ عربی ہندسہ جو آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں ہندستان سے بغداد پہونچ چکا تھا، اگر وہ جلد ہی مغربی یورپ پہونچتا اور مجموعی طور پر اختیار کر لیا جاتا تو وہ بہت سی سائنسی ترقی جس کو ہم اٹلی کی نشأۃ ثانیہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، وہ کئی سو سال پہلے حاصل ہو جاتیں۔

ولفرڈ بلنٹ (۱۹۲۲ - ۱۸۴۰) اسلامی تہذیب سے بہت متاثر تھا۔ اس کی ایک کتاب کا نام ہے اسلام کا مستقبل (*The Future of Islam*) یہ کتاب پہلی بار ۱۸۸۲ میں شائع ہوئی تھی۔ اس نے کئی مسلم ملکوں کا دورہ بھی کیا تھا۔ اگلے صفحے پر اس کے اصل الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔

Most Amazing Event

Islam is one of the great religions of the world — numerically second only to Christianity. Iran is no more than a small corner of that vast territory, stretching from the Atlantic to the South China Sea, where the Muezzin's voice is still to be heard, though today often recorded, calling the faithful to prayer.

There is, perhaps, nothing more amazing in the whole long history of mankind than the extent and the rapidity of the dissemination of Islam. Who could possibly have foreseen that a middle-aged one-time Meccan tradesman and caravan leader, driven in the year 622 from his birth-place to take refuge in Yathrib (Medina), was to found a religion which within a century of his death would have established itself over half the civilized world, would have struck westwards into the heart of France and eastwards crossed the Indus and penetrated to the frontiers of China.

And supposing the tide of Islam had not been stemmed? Nothing so delayed the advance of science in the West as the clumsiness of the Roman numerals. Had the Arabic numerals, which had reached Baghdad from India towards the end of the eighth century, been soon afterwards introduced into and adopted by western Europe as a whole, much of that scientific progress which we associate with the Renaissance in Italy might have been achieved several centuries earlier.

Wilfred Blunt, *The Times* (London) April 2, 1976

نیا دور

اسلام کی پشت پر جو حکومت قائم ہوئی وہ عام معنوں میں محض ایک حکومت نہ تھی۔ یہ شرک کے اوپر توحید کا غلبہ تھا۔ قدیم زمانہ میں دعوتِ توحید کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ شرک اور سلطنت دونوں ایک دوسرے سے جُڑے ہوتے تھے۔ قدیم زمانہ کے بادشاہ مشرکانہ عقائد سے اپنے لیے حکومت کا حق ثابت کرتے تھے۔ اس بنا پر شرک کے خلاف دعوت سلطنت کے خلاف دعوت بن جاتی تھی۔ اور وقت کی سلطنت ایسی دعوت کو مٹانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔

قدیم زمانہ میں خدائی بادشاہوں (God-kings) کا رواج تھا۔ قدیم زمانہ کے بادشاہ اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد کہہ کر اپنے لیے حق حکومت ثابت کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا ارضی ظہور بتا کر لوگوں کو یہ یقین دلاتے تھے کہ انھیں لوگوں کے اوپر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس بنا پر جب خالص توحید کی دعوت اٹھتی تو ان کو محسوس ہوتا کہ وہ ان کے فلسفۂ حکومت کو غلط ثابت کر رہی ہے۔ دعوت توحید کی کامیابی میں انھیں اپنے نظریہ حکومت کی موت نظر آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ جو عالمی غلبہ حاصل ہوا اس نے شرک اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ اب شرک محض ایک شخصی عقیدہ کی حیثیت سے باقی رہا۔ سیاست اور حکومت کے ساتھ اس کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ شرک اور سیاست کی یہ جدائی تکمیل دین کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ سے بعد کے دور میں یہ ممکن ہو گیا کہ توحید کی دعوت اس طرح دی جا سکے کہ شرک کی طرف سے کسی جارحانہ رکاوٹ کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

مشرکانہ سیاست ختم ہو کر جو دوسری سیاست آئی وہ عوامی سیاست تھی۔ پہلے حق حکومت شرک سے اخذ کیا جاتا تھا۔ اب حق حکومت عوامی رائے سے اخذ کیا جانے لگا۔ اس تبدیلی نے اپنے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا سے شمشیر کے دور کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ شمشیر دراصل شخصی اقتدار کی پیداوار تھی۔ جب عوامی اقتدار آیا تو شمشیر نے منطقی طور پر اپنی اہمیت کھو دی۔ اس طرح تاریخ نظریاتی مقابلہ کے دور میں پہنچ گئی۔ اور نظریاتی مقابلہ کے میدان میں برتری ابدی طور پر صرف اسلام کا حصہ ہے۔ اب غلبہ صرف اسلام کے لیے مقدر ہے، دوسروں کے لیے مغلوبیت پر راضی ہونے کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔

دور قدیم میں اسلام کے علم برداروں نے اسلام کو شرک کے اوپر غالب کیا تھا۔ آج دوبارہ وہ وقت آگیا ہے کہ اسلام کو الحاد کے اوپر غالب اور سربلند کیا جائے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ اسلام کے حاملین اٹھیں اور اپنے حصہ کا کام کر کے اس تاریخی امکان کو واقعہ بنا دیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی ۶۱۰ء میں اتری۔ اس کے بعد آپ نے عرب میں اسلام (دین توحید) کی دعوت کا کام شروع کیا۔ اگر آپ چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں، اور ابتدائی وقت کے لحاظ سے دیکھیں تو حالات اتنے ناموافق اور اتنے تاریک نظر آئیں گے کہ بظاہر ایسا محسوس ہوگا کہ عرب میں یا بقیہ دنیا میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ لیکن اگر امکان کے اعتبار سے دیکھئے تو آپ پائیں گے کہ عین اسی وقت ایک شاندار مستقبل اسلامی قافلہ کا انتظار کر رہا ہے۔

ایسی ہی کچھ صورت حال موجودہ زمانہ میں بھی ہے۔ جو لوگ چیزوں کو صرف ظاہر حالات (Face value) کے اعتبار سے دیکھنے کے عادی ہیں، انھیں ہر طرف صرف مشکلات کے تاریک بادل چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ان تاریک بادلوں کے پیچھے ایک روشن سورج چھپا ہوا موجود ہے۔

اسلام (توحید کی دعوت) آج جس عظیم امکان کے کنارے پہنچ چکی ہے، وہ اتنا قریب ہے کہ اس کی کرنیں پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہیں، اور اس کی جھلک صاف طور پر دکھائی دینے لگی ہے۔ مگر اسلام کے حق میں یہ سارا امکان دعوت کے اعتبار سے پیدا ہوا ہے، نہ کہ ان غیر دعوتی مقامات پر جہاں موجودہ زمانہ کے مسلمان انتہائی بے فائدہ طور پر اپنا سر ٹکرا رہے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں تمام قوموں میں مذہب کی طرف واپسی کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ یہ ایک عالمی ظاہرہ ہے۔ مذہبی لٹریچر آج سب سے زیادہ فروخت ہو رہا ہے۔ عبادت خانے جو خالی ہو گئے تھے، ساری دنیا میں دوبارہ بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

تاہم دوسرے مذاہب محرف مذاہب ہیں۔ تحریف کی بنا پر ان مذاہب میں اور انسانی فطرت میں مطابقت باقی نہیں رہی ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لوگوں کی مذہب کی طرف واپسی حقیقۃً اسلام کی طرف واپسی ہے۔ کیوں کہ صرف اسلام ہی غیر محرف مذہب ہے اور اس بنا پر وہی واحد مذہب ہے جو حقیقی معنوں میں انسان کی طلب کا جواب بن سکتا ہے۔

شاہ کلید

مانٹگو مری واٹ (W. Montgomery Watt) کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے: اسلام کی عظمت رفتہ (The Majesty that was Islam) یہ کتاب اگرچہ اسلام کی تعریف پر ہے۔ مگر اس کا نام بہت زیادہ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ کتاب کے اس نام کو دیکھ کر شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ اسلام اپنی ساری عظمتوں کے باوجود ماضی کی چیز تھا، وہ مستقبل کی چیز نہیں کتاب کا یہ نام ماضی کے بارہ میں فخر اور مستقبل کے بارہ میں مایوسی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

مصنف نے کتاب کے پانچویں باب میں فلکیات کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ فلکیات کا فن عربوں کے لیے ایک عملی سائنس تھی۔ کیوں کہ ان کے لیے اپنے مذہب کی رو سے یہ ضروری تھا کہ وہ ہر اسلامی شہر سے مکہ کے رخ کو جانیں۔ تاکہ نمازوں کے وقت اپنے چہرہ کا رخ اس کی طرف کر سکیں:

> Astronomy was a practical science for the Arabs... because they had to know the direction of Mecca from every Islamic city, in order to face in this direction in their prayers (p. 228).

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے عبادتی اعمال غیر متعلق رسوم نہیں ہیں، بلکہ ان کا رشتہ دوسرے انسانی علوم سے براہ راست طور پر جڑا ہوا ہے —— نماز کا تعلق سمتوں کے علم سے ہے۔ اسی طرح روزہ کا تعلق کیلنڈر سے۔ زکوٰۃ کا تعلق علم الحساب سے۔ حج کا تعلق علم جغرافیہ سے، وغیرہ۔

مسلمانوں کے درمیان اسلام اگر حقیقی شکل میں زندہ ہو تو اسی کے ساتھ دوسری تمام چیزیں بھی ان کے درمیان زندہ ہو جائیں گی۔ اسلام کا قیام اپنے آپ دوسری چیزوں کے قیام کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسلامی تاریخ کے دور اول میں ایسا ہی پیش آیا۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان اسلام اپنی حقیقی صورت میں زندہ نہیں۔ اس لیے دوسری چیزیں بھی ان کے درمیان زندہ نظر نہیں آتیں —— اسلام شاہ کلید (Master Key) ہے، دینی امور کے لیے بھی، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے دنیوی امور کے لیے بھی۔

اسلام اپنی ذات میں ایک تسخیری طاقت ہے۔ اور تاریخ اس کی تسخیری طاقت کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کا اعتراف کثرت سے غیر مسلم محققین نے کیا ہے۔

ٹائمس آف انڈیا (دہلی اڈیشن) ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۰، صفحہ ۲ کے پہلے کالم میں ذاتی (personal) کے عنوان کے تحت یہ اعلان درج ہے کہ ـــــ میں، اشوک مدن، عمر ۳۰ سال، ولد شری اے ایل مدن، ساکن جی ۱۲/۲، مالویہ نگر، نئی دہلی، نے اپنے آزادانہ اختیار سے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب سے میرا نام اختر مدن ہوگا:

I, Ashok Madan, aged 30, son of Shri A.L. Madan, resident of G-12/2, Malviya Nagar, New Delhi, have embraced Islam on my own free choice and will henceforth be known as Akhtar Madan. (C-59254)

یہ کوئی اتفاقی یا استثنائی خبر نہیں۔ اس طرح کے واقعات اس ملک میں اور ساری دنیا میں ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب کہ زمین پر چلنے پھرنے والی کچھ روحیں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اسلام کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائیں۔

یہ جو ہو رہا ہے، کیا وہ مسلمانوں کی کسی تبلیغی کوشش کے نتیجہ میں ہو رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں ایک ارب کی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے درمیان اسلام کے نام پر بے شمار بڑی بڑی سرگرمیاں جاری ہیں۔ مگر واحد سرگرمی جس سے خدا کی زمین تقریباً خالی ہے، وہ دعوت و تبلیغ کی سرگرمی ہے۔ خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام واحد کام ہے جس کو کرنے والا آج زمین کی پیٹھ پر کوئی نہیں۔

اس کے باوجود اسلام کیوں پھیل رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود اپنی طاقت کے ذریعہ۔ خدا اور مذہب کا جذبہ انسان کی فطرت میں پیوست ہے۔ وہ اپنے فطری جذبہ کے تحت خدائی مذہب کی تلاش میں نکلتا ہے۔ مگر چونکہ دوسرے مذاہب انسانی آمیزش کے نتیجہ میں بگڑ چکے ہیں، اس لیے ان متلاشیوں کی تسکین دوسرے مذاہب میں نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جس کو ان کی فطرت تلاش کر رہی تھی۔ اسلام کا غیر محرّف ہونا اور اس کا تاریخی طور پر ثابت شدہ مذہب ہونا، وہ خصوصیت ہے جس نے اسلام کے اندر یہ طاقت پیدا کر دی ہے کہ وہ اپنے آپ پھیلتا ہے، خواہ کسی نے اس کی تبلیغ کی کوشش کی ہو یا نہ کی ہو۔

مطلوبِ فطرت

ایک فارسی شاعر کا شعر ہے کہ صحرا کے تمام ہرن اپنا سر اپنے ہاتھ پر لیے پھرتے ہیں کہ تم کسی دن آؤ اور ان کا شکار کرو:

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف   بامید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

شاعر نے یہ شعر جس معنی میں بھی کہا ہو، مگر ایک معنی میں وہ نہایت صحیح ہے۔ اور وہ انسان کی فطری طلب ہے۔ ہر انسان کے اندر فطری طور پر یہ طلب موجود ہے کہ وہ اپنے خالق کو پائے اور اس کا پرستار بن جائے۔ یہ طلب ہر آدمی کے اندر اس طرح پیوست ہے کہ وہ اس کو نکال نہیں سکتا۔

تمام مذاہب جن کو سچے پیغمبروں نے پیش کیا، وہ اسی مطلوب خدا کا تعارف تھے۔ مگر پچھلے مذاہب میں تبدیلی اور آمیزش کی وجہ سے ان کا خالص پن باقی نہ رہا۔ اب صرف اسلام ہے جس میں خدا کا صحیح اور بے آمیز تعارف موجود ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آج تمام دنیا کے انسان اسلام کی تلاش میں ہیں۔

انسان کے اندر خدا کی پیدائشی طلب ہے، اور اسلام وہ واحد مذہب ہے جس میں خدا کا تعارف اور اس کی مرضی کسی ملاوٹ کے بغیر موجود ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملائیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام کے پاس سب سے قیمتی چیز اسلام ہے۔

اسلام گویا فاتحِ عالم ہے۔ اسلام فاتحِ انسانیت ہے۔ اسلام کی صورت میں اہلِ اسلام کے پاس ایک ایسی چیز موجود ہے جو عصاء موسیٰ سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ وہ اس کے ذریعہ ہر آدمی کے دل کو مسخر کر سکتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی ملک کا رہنے والا ہو، اور خواہ وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔

اس دنیا میں ہر انسان آہوئے فطرت ہے۔ ہر انسان اس سچائی کی تلاش میں ہے جس کے بغیر اس کی شخصیت ناتمام ہے۔ اسلام اسی ابدی سچائی کا مستند ترین اڈیشن ہے۔ اس اعتبار سے ہر انسان گویا اس انتظار میں ہے کہ اسلام کے حاملین آئیں اور اس کے سامنے خدا کے سچے دین کو پیش کریں، اور اس کی روح اس کو عین اپنا مطلوب سمجھ کر اسے اختیار کر لے۔

زید بن عمرو بن نُفیل بن عبد العزّیٰ (م ۶۰۶ ء) قدیم مکہ کے ایک باشندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ عہدِ جاہلیت کے ان افراد میں سے تھے جن کو حنیف کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو متلاشیٔ حق کہا جا سکتا ہے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

اَرَبًّا وَاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ ۔ اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ

میں ایک رب کی یا ہزار رب کی عبادت کروں، جیسا کہ انھیں بانٹ دیا گیا ہے

وہ اپنے آبائی مذہب سے غیر مطمئن تھے۔ حق کی تلاش میں وہ عرب کے باہر شام وغیرہ کے علاقوں میں گھومتے رہے۔ مگر انھیں حق نہیں ملا۔ وہ یہ کہتے ہوئے مر گیے کہ اے اللہ، اگر میں جانتا کہ تیرا سب سے پسندیدہ طریقہ کیا ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا مگر میں اس کو نہیں جانتا، پھر وہ اپنی سواری ہی پر سجدہ کر لیتے (اللّٰھم انی لو اعلم احبّ الوجوہ الیک عبدتک بہ ولکنی لا اعلم ثم یسجد علی رحلتہ) البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۳۷

یہ ایک علامتی واقعہ ہے جو بتاتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع تک دنیا کی حالت کیا تھی۔ اس وقت پوری انسانیت حق سے محروم تھی۔ ہر ایک سچائی سے محرومی کا احساس اپنے اندر لیے ہوئے تھا۔ جن لوگوں کی طلب زیادہ شدید تھی، وہ زید بن عمرو کی مانند بے چین تھے۔ اور جن لوگوں کی طلب اتنی شدت کے ساتھ نہیں ابھری تھی وہ زبانِ حال سے دینِ حق کے طالب بنے ہوئے تھے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے ایک بہترین شخص محمد بن عبد اللہ کو چُنا اور ان کو اپنا پیغمبر مقرر کیا تاکہ وہ عرب کو اور تمام اہلِ عالم کو امرِ حق سے آگاہ کریں۔ فرشتہ کے ذریعہ خدا کا کلام آپ پر اتارا گیا اور آپ نے اس کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں ہمہ تن اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

آج دوبارہ انسان قدیم حنفاء کی طرح ہی آواز دے رہا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کام کے لیے اٹھیں، جو انسان کی اس پکار کا جواب فراہم کریں۔ انسانیت آج سب سے زیادہ ایسے ہی لوگوں کے انتظار میں ہے۔

صداقت اسلام

مشہور مغربی مورخ فرینکلن بامر (Franklin Baumer) نے موجودہ دور کو پریشانیوں کا دور (Age of anxiety) قرار دیا ہے۔ سائنس کے ظہور کے بعد انیسویں صدی میں یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ بہتر زندگی اور اچھے معاشرہ کی تعمیر کے لیے سائنس کافی ہے۔ سائنس کے ذریعہ انسان کو مادی ترقی بھی حاصل ہوگی اور اسی کے ذریعہ اخلاقی اور روحانی ترقی بھی۔ مگر سو سال کے تجربہ کے بعد شدید ناکامی ہوئی۔ سائنس نے مادہ کو مشین میں تبدیل کیا، مگر وہ برے انسان کو اچھا انسان نہ بنا سکی۔ مثال کے طور پر سائنس نے انسان کو جو نئی طاقت دی، اس کا استعمال انسان نے دو عالمی جنگوں کی صورت میں کیا جس نے انسانی دنیا میں ایسی تباہی برپا کی جس کی مثال ساری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

چنانچہ بیسویں صدی میں عام طور پر اس کا اعتراف کر لیا گیا کہ سائنس انسانی معاشرہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کافی نہیں۔ آئن سٹائن نے کہا کہ سائنس پلوٹونیم کی فطرت کو بدل سکتی ہے، مگر سائنس انسان کے دل کی برائی کو دور نہیں کر سکتی:

Science can denature plutonium but it cannot denature the evil in the heart of man.

کچھ اور لوگوں نے براہ راست اور متعین صورت میں مذہب کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ کارل ینگ نے جدید معاشرہ کے ہزاروں لوگوں کا تجربہ کرنے کے بعد کہا کہ ہم جو کچھ بھگت رہے ہیں اس لیے بھگت رہے ہیں کہ ہم خدا سے دور ہو گئے ہیں:

We continue to suffer because we are alienated from God.

موجودہ زمانہ میں جو نئی چیزیں ظہور میں آئی ہیں ان میں سے ایک ذرائع ہیں، اور دوسرے نظریات۔ یہ ذرائع اپنی ابتدائی صورت میں انسانیت کے لیے بے حد مفید تھے۔ مگر جدید نظریات نے انسانوں میں جو ذہن اور مزاج پیدا کیا وہ صحیح نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفید چیزیں بھی عملاً تباہی کا سبب بن گئیں۔ آج دنیا کو ایسے نظریہ کی ضرورت ہے جو انسان کے اندر صالح مزاج کی تخلیق کر سکے۔

اسلام کی صداقت کا ایک ناقابل انکار ثبوت یہ بھی ہے کہ اسلامی انقلاب سے جو نظامات وجود میں آئے، وہ ہمیشہ انسانیت کے لیے مفید ثابت ہوئے۔ اور غیر اسلامی انقلاب سے جو نظامات وجود میں آئے، وہ ہمیشہ انسانیت کے لیے مضر ثابت ہوئے۔

مثلاً جدید آزاد دنیا میں سائنس، جمہوریت، شہری آزادی وہ چیزیں ہیں جو اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ یہ چیزیں انسانیت کے لیے خیر ثابت ہوئیں۔ اگرچہ غلط استعمال کی بنا پر ان سے انسانیت کو بعض نقصانات بھی پہنچے۔ مگر اصولی اعتبار سے یہ چیزیں سراپا خیر تھیں۔

اس کے برعکس نیشنلزم، کمیونزم، نازی ازم وغیرہ وہ نظامات ہیں جو غیر اسلامی فکر اور غیر اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں ظہور میں آئے۔ یہ چیزیں انسانیت کے لیے سراپا شر ثابت ہوئیں۔ ان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کو جتنا زیادہ کامل صورت میں نافذ کیا جائے اتنا ہی زیادہ ان کا نقصان بڑھتا چلا جائے گا۔ ان کے نقصان میں اگر کچھ کمی ہوگی تو صرف اس وقت جب کہ انھیں ناقص صورت میں نافذ کیا گیا ہو۔

آپ پھل دار درخت بوئیں تو اس سے ہمیشہ پھل ہی ملے گا۔ اس کے برعکس اگر آپ کانٹے دار درخت بوئیں تو اس سے ہمیشہ کانٹے نکلیں گے۔ یہی اسلام اور غیر اسلام کا معاملہ ہے۔ اسلام کا جزء یا کُل جب بھی زندگی میں رائج کیا جائے گا، وہ زندگی میں تعمیری نتیجے پیدا کرے گا۔ اور غیر اسلام کو جب بھی رائج کیا جائے گا، وہ زندگی میں اپنے تخریبی نتیجے دکھائے گا، خواہ اس کو جزئی طور پر رائج کیا گیا ہو یا کلی طور پر۔

موجودہ زمانہ میں انسان نے فطرت کے مطالعہ سے جو چیزیں دریافت کیں اور جو صنعتی تمدّن بنایا وہ قدرت کی نشانیاں تھیں۔ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ان کی حیثیت خدا کی نعمت کی تھی۔ مگر موجودہ زمانہ میں انسان کی ذہنی تشکیل کے لیے جو نظریات ظہور میں آئے وہ انسان کے اپنے دماغ کی پیداوار تھے۔ اس طرح جدید دور ایک تضاد میں مبتلا ہوگیا۔ ذرائع کے اعتبار سے اس کے پاس خدائی ذرائع تھے۔ مگر انسان کے اعتبار سے غیر خدائی انسان۔

اسلام اس تضاد کو ختم کرنے والا ہے۔ اسلام خدا کی طرف سے آیا ہوا دین ہے۔ انسان کو اسلامی فکر پر لے آنا گویا اس کو خدائی انسان بنانا ہے۔ اسلام کے پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ذرائع خدائی ہیں اسی طرح انسان بھی خدائی ہو جائیں۔ اس تضاد کو ختم کرنے ہی میں انسانی فلاح کا راز چھپا ہوا ہے۔

تاریخی تائید

چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں جب اسلام کا ظہور ہوا، اس وقت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت عیسائیوں کی سلطنت تھی۔ اس سلطنت کے دو بڑے حصے تھے۔ ایک مغربی حصہ اور دوسرا مشرقی حصہ۔ مغربی حصہ (یورپ) کو رومن ایمپائر کہا جاتا تھا اور اس کا پایہ تخت روم (اٹلی) تھا۔ مشرقی حصہ (ایشیا اور افریقہ) کو بازنطینی ایمپائر کہا جاتا تھا اور اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ (ترکی) تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں شام کی سرحد پر رومیوں سے مسلمانوں کا فوجی ٹکراؤ شروع ہوا۔ اس ٹکراؤ میں مسلمان کامیاب رہے۔ ایک صدی کے اندر اندر انھوں نے مسیحی سلطنت کے مشرقی حصہ کو تقریباً پورا کا پورا فتح کر لیا جس میں ان کے مقدس مذہبی مقامات (شام فلسطین) بھی شامل تھے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ایک طرف سسلی اور اسپین کی جانب سے پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرانس کے اندر داخل ہو گئے۔ دوسری طرف وہ ترکی کی جانب سے مشرقی یورپ میں داخل ہوئے اور آگے بڑھتے ہوئے ویانا (آسٹریا) تک جا پہنچے۔ اس طرح انھوں نے مسیحی (رومی) سلطنت کے مشرقی بازو پر تقریباً پورا کا پورا قبضہ کر لیا۔ اور اسی کے ساتھ اس کے مغربی بازو کے بھی ایک حصہ کو کاٹ لیا۔

مشہور صلیبی لڑائیاں مغربی عیسائیوں کی طرف سے ان کی اسی شکست کا ردعمل تھیں۔ عیسائی دنیا ایک غیر قوم کے ہاتھ سے اپنی اس ذلت اور شکست کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ یورپ کی مسیحی سلطنتوں نے متحد ہو کر مسلم دنیا پر حملہ کر دیا۔

یہ صلیبی لڑائیاں (crusades) وقفہ وقفہ سے تقریباً دو سو سال (۱۰۹۵-۱۲۷۱ء) تک جاری رہیں۔ اس درمیان میں عیسائیوں کو وقتی اور جزئی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں بالآخر مسلمانوں نے فتح پائی۔ اور مسیحیوں کو ان کی سابقہ دنیا سے باہر نکال دیا گیا۔

پیرس سائیکلو پیڈیا (Pears Cyclopaedia) نے اس سلسلے میں بہت بامعنی تبصرہ کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

Millions of lives and an enormous amount of treasure were sacrificed on these enterprises, and when all was done Jerusalem remained in the possession of the "infidels"

لاکھوں جانیں اور بے شمار دولت ان مہموں میں قربان کر دی گئی۔ اور جب سب کچھ ہو چکا تو یروشلم بدستور "بددینوں" کے قبضہ میں پڑا ہوا تھا۔

مسٹر ولفریڈ بلنٹ (Wilfred Blunt) نے اپنے ایک مقالہ (ٹائم لندن، ۲ اپریل ۱۹۷۶) میں اسلام کا ذکر کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں :

There is, perhaps, nothing more amazing in the whole long history of mankind than the extent and rapidity of the dissemination of Islam.

شاید پوری انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ تعجب خیز واقعہ اور کوئی نہیں ہے جتنا کہ انتہائی وسعت اور تیز رفتاری کے ساتھ اسلام کا پھیلنا۔

دین اسلام کو جو قوت اور وسعت حاصل ہوئی، اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ اسلام کی حفاظت اس عالم اسباب میں ممکن ہو جائے۔ اس سے پہلے جو آسمانی مذاہب آئے وہ سب ضائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان پیغمبروں کو ماننے والے تھوڑے تھے۔ ان کے مخالفین تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ہر قسم کی قوت و طاقت پر بھی انھیں کا قبضہ تھا۔ ان مخالفین نے سابق مذاہب کو ان کی اصل صورت میں باقی رہنے نہیں دیا۔ انھوں نے ان کتابوں میں اپنی منشا کے مطابق تحریف کر دی۔ اسلام کی پشت پر جو طاقت و حکومت قائم ہوئی وہ اس بات کی ضمانت بن گئی کہ کوئی اس کو ضائع نہ کر سکے۔ کوئی اس میں انسانی کلام کی آمیزش نہ کر سکے۔

اسلام کے ساتھ طاقت کو جمع کرنے اور اس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دینے سے اور بہت سے فائدے حاصل ہوئے۔ اس کی وجہ سے وہ تمام خطرات اور اندیشے ختم ہو گئے جو دشمنوں کی طرف سے دین خداوندی کو پیش آتے تھے۔ قرآن کے بعد کے زمانہ میں توحید پرستوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ اگر وہ خدا کے فرماں بردار بنے رہیں تو یہ فرماں برداری بذات خود ان کی کامل حفاظت کی ضمانت بن جائے گی۔ کسی دشمن سے انھیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔

دنیا اسلام کی تلاش میں

ایف ایچ بریڈلے (F.H. Bradley) ۱۸۴۶ میں لندن میں پیدا ہوا، اور ۱۹۲۴ میں آکسفورڈ میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ دور جدید کے ممتاز فلسفیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بریڈلے نے اپنی کتاب (Essays on Truth and Reality) میں لکھا ہے کہ آج دنیا کو ایک نیا مذہب (New religion) درکار ہے۔ وہ مذہب جو ہمیں ایسا عقیدہ عطا کرے جو تمام انسانی مفادات کا تعین کرنے والا ہو۔ اور ضروری تناسب کے ساتھ اس کے جواز کی بنیاد ہو۔ اسی کے ساتھ وہ ایسا شعور دے جس سے انسان اس پر پورا اعتماد کر سکے (صفحہ ۴۴۶)

اسی کے ساتھ بریڈلے نے موجودہ مذاہب پر اپنا عدم اطمینان ظاہر کیا۔ اس نے یہ اعلان کیا کہ مذہب کوئی آخری چیز نہیں :

Religion is not a final and ultimate matter. (II/220)

اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ "مذہب" سے بریڈلے کی مراد مروجہ مذاہب ہیں، تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ باعتبار حقیقت "نئے مذہب" سے اس کی کیا مراد ہے۔ باعتبار حقیقت اس سے مراد غیر محرف مذہب ہے۔ مذہب کے نام سے وہ صرف رائج الوقت مذہبوں کو جانتا ہے، اگر وہ مذہب کا تحریف اور آمیزش سے پاک اڈیشن دیکھ لیتا تو "نئے مذہب" کے بجائے وہ غیر محرف مذہب کا لفظ استعمال کرتا۔

موجودہ زمانہ کے انسان کا مطالعہ کیجئے تو وہ عجیب تضاد میں مبتلا نظر آئے گا۔ ایک طرف وہ مذہب کی ضرورت کا اقرار کرے گا۔ اسی کے ساتھ وہ موجودہ مذاہب سے اپنی بے اعتمادی ظاہر کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نفسیاتی اعتبار سے مذہب جیسی ایک چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ مگر جب وہ موجودہ مذاہب کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو اس کی نفسیاتی طلب کا جواب نظر نہیں آتے۔

اس پیچیدگی کا سبب مذاہب کی تحریف ہے۔ آج کے انسان کو محرف مذاہب اپنے نفسیاتی تقاضے کے مطابق نظر نہیں آتے، لیکن اگر اس کے سامنے مذہب کا غیر محرف نسخہ رکھ دیا جائے

تو وہ اس کو عین اپنی نفسیاتی طلب کے مطابق پائے گا اور فوراً اس کو قبول کرے گا۔

مغربی دنیا میں، اور مجموعی طور پر ساری دنیا میں "مذہب کی طرف واپسی" کا جو رجحان پیدا ہوا ہے، وہ حقیقۃً "اسلام کی طرف واپسی" کا رجحان ہے۔ کیونکہ اب مذہب کی نمائندگی کے لیے صحیح اور مستند نسخہ صرف وہی ہے جو اسلام کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اسلام کے سوا جو دوسرے مذاہب ہیں، وہ سب کے سب محرّف ہو چکے ہیں۔ بالفاظ دیگر، خالص تاریخی اعتبار سے وہ معتبر نہیں ہیں۔ اب تلاش مذہب کا صرف ایک ہی جواب باقی رہ گیا ہے، اور وہ بلاشبہہ صرف اسلام ہے۔

لوگوں کی تلاش مذہب، حقیقت کے اعتبار سے، تلاش اسلام ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے یہاں میں ایک مثال دوں گا۔ ڈاکٹر ونشی کانت چٹو پادھیا بنگال کی ایک ہندو فیملی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی تھے اور بیک وقت کئی زبانیں جانتے تھے۔ پختہ عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے اندر تلاش حق کا جذبہ ابھرا۔ اب انھوں نے مطالعہ شروع کر دیا۔

سب سے پہلے انھوں نے فلسفہ پڑھا۔ مگر انھوں نے محسوس کیا کہ فلسفہ صرف سوال تک پہنچاتا ہے، وہ جواب کے بارے میں ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔ اس کے بعد انھوں نے مذاہب کا جائزہ لینا شروع کیا۔ سب سے پہلے انھوں نے ہندو مذہب اور اس کی مختلف شاخوں کو پڑھا، مگر وہ انھیں مطمئن نہ کر سکا۔ کیونکہ انھوں نے پایا کہ ہندو مذہب سارا کا سارا مائتھالوجی پر قائم ہے۔ ایسے کسی مذہب کی صداقت پر عقلی اعتبار سے یقین کرنا ممکن نہیں۔

اس کے بعد انھوں نے مسیحیت اور یہودیت وغیرہ مذاہب کا مطالعہ کیا۔ مگر یہاں بھی ان کو اطمینان نہیں ملا۔ کیونکہ یہ تمام مذاہب انھیں تاریخ کے معیار پر پورے اترتے نظر نہیں آئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جو چیز تاریخی طور پر ثابت شدہ نہ ہو اس کے حقیقی ہونے پر وہ کیونکر یقین کر سکتے ہیں۔

آخر میں انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے پایا کہ یہاں ہر چیز ثابت شدہ ہے۔ یہاں ہر بات تاریخ کے معیار پر پوری اتر رہی ہے، اسلام کا پیغمبر مکمل معنوں میں ایک تاریخی شخصیت ہے نہ کہ محض افسانوی یا اعتقادی شخصیت، یہ دیکھ کر وہ بے اختیار پکار اٹھے۔ اف، کیسا عجیب ہے یہ پانا کہ آدمی تلاش کرتے کرتے آخر کار ایک سچے تاریخی پیغمبر کو پالے جس پر وہ یقین کر سکے :

Oh! what a relief to find, after all, a truly historical prophet to believe in.

نظریاتی برتری

اسلام دین رحمت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں رحمۃ للعالمین (انبیاء ۱۰۷) کہا گیا ہے۔ یعنی سارے عالم کے لیے رحمت۔ اس کے باوجود آپ کی معاصر قوم سے آپ کی لڑائیاں پیش آئیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ رحمت اور سلامتی تھے تو آپ نے دوسروں سے جنگ کیوں کی۔ کیوں نہ ایسا ہوا کہ آپ کا مشن رحمت اور امن سے شروع ہوتا اور رحمت اور امن ہی پر وہ تمام ہو جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی لڑائیاں حقیقۃً زمانہ کے خانہ میں جاتی ہیں نہ کہ خود آپ کے خانہ میں۔ آپ جس زمانہ میں آئے اس وقت دنیا میں بادشاہت کا زمانہ تھا۔ اس وقت ڈیموکریسی اور آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ مطلق العنان بادشاہ یا سردار ہر جگہ راج کر رہے تھے۔ یہی زمانی حالت جنگ کا سبب بن گئی۔ اگر اس وقت آج کی طرح ڈیموکریسی موجود ہوتی تو شاید سرے سے جنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ مثال امریکہ کی تحریک آزادی اور انڈیا کی تحریک آزادی کے تقابل سے سامنے آتی ہے۔

امریکہ میں انیسویں صدی کے آغاز میں آزادی کی جنگ ہوئی۔ امریکہ کے ساحلی مقامات پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ امریکی لوگ ان کو اپنے ملک سے نکال دینا چاہتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں دونوں فریقوں کے درمیان خونیں لڑائیاں ہوئیں۔ کثیر تعداد میں جانی نقصان کے بعد امریکہ کو انگریزوں سے آزادی نصیب ہوئی۔

انھیں انگریزوں کے خلاف انڈیا نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں آزادی کی تحریک چلائی۔ یہ پوری تحریک عدم تشدد کے اصول پر چلائی گئی۔ تحریک کامیاب رہی۔ معروف اسلحہ کے استعمال کے بغیر انڈیا آزاد ہو گیا۔

اس فرق کا سبب حقیقۃً امریکی لیڈروں کی تشدد پسندی یا مہاتما گاندھی کی امن پسندی نہیں۔ بلکہ زمانہ کا فرق ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں میں آزادی اور ڈیموکریسی کے نظریات ابھی بہت زیادہ عام

نہیں ہوئے تھے۔ وہ ابھی مستحکم اور تسلیم شدہ نظریات نہیں بنے تھے۔ اس وقت ابھی قدیم بادشاہی دور کی روایات باقی تھیں۔ اس بنا پر قتال کی نوبت آگئی۔

اس وقت امریکہ میں اگر کوئی گاندھی جیسا اہنسا وادی لیڈر پیدا ہوتا تو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اہنسا کی بنیاد پر تحریک چلا کر کامیاب ہونے کے لیے زمانہ کی مساعدت کی ضرورت ہے۔ اور اس قسم کی زمانی مساعدت اس وقت تک کسی کو حاصل نہ تھی۔

مگر بیسویں صدی کے نصف اول میں جب گاندھی اٹھے تو آزادی اور ڈیموکریسی کے نظریات مسلّم سیاسی نظریات بن چکے تھے۔ چنانچہ انھیں زمانہ کی کامل مساعدت حاصل ہوئی اور وہ عدم تشدد کی بنیاد پر تحریک چلا کر برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے ارشادات میں خود بھی اس کے اشارے موجود ہیں کہ اسلام کی ابدی تحریک کو دو مختلف دوروں سے سابقہ پیش آئے گا۔

دور اوّل کا اشارہ قرآن میں اس طرح موجود ہے کہ اس میں ظالموں سے دفاعی جنگ لڑنے کی ہدایت کی گئی ہے (اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا) چنانچہ اس ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے جارح اور ظالم عناصر سے دفاعی جنگ کی۔

دوسرے دور کا اشارہ ہم کو حدیث میں ملتا ہے۔ صحیح مسلم (کتاب الفتن واشراط الساعۃ) میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعد کے زمانہ میں اہل ایمان کی ایک تعداد غزوہ کرے گی۔ مگر وہ نہ ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ تیر ماریں گے۔ وہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہیں گے اور قلعہ کی دیواریں گر جائیں گی (فلم یُقاتِلوا بسلاح ولم یرموا بسهم، قالوا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر فیسقط احدُ جانبیھا۔ ثم یقولون الثانیۃُ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر فیسقط جانبھا الآخر۔ ثم یقولون الثالثۃ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر فیُفرَجُ لھم فیدخلونھا فیغنمون)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دور آخر میں عالمی حالات میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوں گی کہ افکار و نظریات اسلحہ کے قائم مقام بن جائیں گے۔ اس فکری دور میں اہل اسلام کے لیے ممکن ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی فکری طاقت اور اس کی نظریاتی برتری کو لے کر اٹھیں اور محض اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں پر کامیابی حاصل کرلیں۔

دین فطرت

کراچی سے ایک انگریزی ہفت روزہ یقین انٹرنیشنل کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کے شمارہ ۲۲ اگست ۱۹۹۱ کے ایک مضمون کا عنوان ہے : میں نے کیوں اسلام قبول کیا (Why did I embrace Islam?)

یہ ایک نومسلم مسٹر چیمپین (Darly Champion) کی کہانی ہے۔ وہ ساؤتھ آسٹریلیا کے شہر ایڈیلیڈ (Adelaide) میں ایک مسیحی خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ان کے اندر تلاش حق کا جذبہ تھا۔ ۱۲ سال کی عمر میں اسکول پارٹی کے ساتھ ایک بار وہ ایک مقامی مسجد میں گئے۔ یہ مسجد سو سال پہلے ان افغانیوں نے بنائی تھی جو ساربان (camel driver) کے طور پر یہاں لائے گئے تھے۔ اس مسجد کی سادگی کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کے اندر یہ شوق پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب کا مطالعہ کریں۔

بعد کو وہ میڈیا انڈسٹری میں داخل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں انھیں سڈنی آنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں ان کی ملاقات کچھ مسلمانوں سے ہوئی۔ ان سے انھوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ حاصل کر کے پڑھا۔ مزید مطالعہ کے بعد وہ یکم جون ۱۹۸۴ کو سڈنی کی ایک مسجد میں گئے اور کلمۂ شہادت ادا کر کے اسلام قبول کر لیا۔ آسٹریلیا میں ڈھائی لاکھ (250,000) مسلمان ہیں۔ ان میں تقریباً دو سو نومسلم ہیں۔

موصوف نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام قمر القلب رکھا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں اسلام قبول کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ میں نے اسلام کو ازسرنو دریافت کیا۔ میرے بارہ میں آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ تبدیلیٔ مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ وہ اس مذہب کو دوبارہ دریافت کرنے کا قصہ ہے جو میری فطرت میں پہلے سے موجود تھا :

> I didn't embrace Islam, I re-discovered Islam in myself. What you have heard is not a tale of conversion, but a story of rediscovery of my natural self embodied in Islam.

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ ہر آدمی کا اپنا مذہب ہے۔ اسلام کو قابلِ قبول بنانے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ لوگوں سے معتدل تعلقات قائم کیے جائیں اور اسلام کے مثبت پیغام سے انھیں باخبر کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کھنچ کر اسلام کی طرف آ جائیں گے۔

مسلمان اگر مغربی علوم اور مغربی ٹکنالوجی میں مہارت پیدا کریں اور اس کے ذریعہ مغربی قوموں کو دوبارہ زیر کر کے دنیا میں اپنی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں تو عملاً یہ تدبیر ان کے لیے سود مند نہ ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے کئی سو سال سے مغرب اس میدان میں مسلسل ترقی کرتا رہا ہے۔ اور مسلمانوں کا حال یہ رہا ہے کہ ان صدیوں میں وہ صرف مغرب سے ناکام روایتی لڑائی لڑتے رہے ہیں۔ اس مدت میں انھوں نے جدید علوم اور ٹکنالوجی میں کوئی ترقی نہیں کی۔ اس کے نتیجہ میں دونوں قوموں کا فرق اتنا زیادہ ہو چکا ہے کہ اب تقریباً ناممکن ہو گیا ہے کہ عام حالات میں اس کو دور کیا جا سکے۔

ایلون ٹافلر نے اپنی مشہور کتاب (Future Shock) میں لکھا ہے کہ مغربی دنیا انڈسٹریل ایج سے گزر کر اب سپر انڈسٹریل ایج میں داخل ہو رہی ہے۔ مسلمان چونکہ ابھی تک انڈسٹریل ایج میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مسلمان اگر اب سے اس رخ سے اپنا سفر شروع کریں تو ہزار کوشش کے بعد جب وہ انڈسٹریل ایج میں داخل ہوں گے تو دنیا سپر انڈسٹریل ایج میں داخل ہو چکی ہوگی اور وہ بدستور پیچھے کے پیچھے رہیں گے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ وہ اپنے احیار کے لیے دوسرا راستہ تلاش کریں۔

یہ دوسرا راستہ صرف دعوت کا ہے۔ مسلمانوں کے لیے احیار ثانی کی جد و جہد کا واحد طریقہ یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کے داعی بن کر اٹھیں۔ لوگ مادیات کو فتح کر رہے ہیں۔ مسلمان لوگوں کے دلوں کو فتح کریں۔ لوگ زمین پر قبضہ کر رہے ہیں۔ مسلمان لوگوں کی روح اور دماغ پر قبضہ کریں۔ یہی واحد راستہ ہے۔ اس کے سوا مسلمانوں کے لیے زندگی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اسلام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی طاقت دے دی ہے جو ہر دوسری طاقت کے اوپر ہے، جو ہر دوسری طاقت کو مسخر کر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دعوت مسلمانوں کا دینی فریضہ بھی ہے اور وہی ان کے مسئلہ کا واحد حل بھی۔

اسلام آدمی کے فطری تقاضے کا جواب ہے۔ اسلام میں زندگی کا متوازن قانون ہے۔ اسلام میں وہ صحیح ترین رہنمائی ہے جس کو اختیار کر کے انسانیت کا قافلہ اپنی منزل کی طرف کامیاب سفر کر سکے۔ اسلام کی تعلیمات ان تضادات سے پاک ہیں جو دوسرے نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ اسلام وہ شاہراہ فراہم کرتا ہے جس میں دنیا کی بھی فلاح ہے اور آخرت کی بھی فلاح۔

مانع جرم

ایک مفکر کا قول ہے :

It is not the severity of punishment that acts as a deterrent. It is its inevitability.

یعنی سزا کی سختی آدمی کو جرم سے نہیں روکتی۔ یہ سزا کی ناگزیریت ہے جو مانع جرم کا کام کرتی ہے۔

یہ قول بہت بامعنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اس قدر سرکش ہے کہ صرف سزا کا امکان اس کے لیے اتنا طاقتور محرک نہیں کہ وہ اس کو جرم سے روک دے۔ آدمی جرم سے صرف اس وقت رُکتا ہے جب کہ اس کو یقین ہو کہ اگر اس نے جرم کیا تو وہ کسی حال میں اس کے انجام سے بچ نہیں سکے گا۔

مثال کے طور پر ایک شخص جنگل میں بے ہتھیار چلا جا رہا ہے۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ قریب کی جھاڑی میں ایک زندہ شیر موجود ہے۔ ایسے موقع پر وہ سانس روک لے گا اور نہایت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھ جائے گا۔ کوئی بھی بے ہتھیار آدمی جنگل کے کھلے ہوئے شیر کو نہیں چھیڑتا۔ مگر یہی انسان جب انسانی بستی میں آتا ہے تو وہ دوسرے انسانوں کو چھیڑتا ہے۔

اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو یقین ہے کہ اگر اس نے جنگل کے شیر کو چھیڑا تو اس کے بُرے انجام سے وہ بچ نہیں سکتا۔ اس کے برعکس اپنے جیسے انسان کو چھیڑنے میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہاں اس کو بھروسہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی تدبیر سے وہ اپنے آپ کو اس کے انجام سے بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

انسان کی یہ نفسیات بتاتی ہے کہ انسان کو جرم سے باز رکھنے کی صرف ایک ہی ممکن تدبیر ہے۔ وہ یہ کہ اس کے اندر اس حقیقت واقعہ کا یقین پیدا کیا جائے کہ اس کے اوپر ایک خدا ہے جو ہر آن اس کو دیکھ رہا ہے۔ آدمی کسی حال میں اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ انسانی قانون میں یہ ناگزیریت نہیں، اس لیے انسانی قانون پوری طرح مانع جرم نہیں بنتا۔ مگر خدائی قانون میں ناگزیریت ہے۔ اس لیے صرف اسی کے اندر یہ طاقت ہے کہ وہ آدمی کو جرم سے باز رکھے۔

موجودہ زمانہ میں جرم کے موضوع پر گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس مطالعہ سے جو حقیقتیں سامنے آئی ہیں وہ واضح طور پر اسلام کے نظریہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

ایک اطالوی ڈاکٹر لومبروسو (Cesare Lombroso) نے انیسویں صدی میں کچھ لوگوں کے سروں کی پیمائش کی۔ اس کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ غیر مجرم لوگوں کے مقابلہ میں مجرم لوگوں کے دماغ (Brain) جسامت میں چھوٹے ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جو شخص مجرم ہوتا ہے وہ پیدائشی طور پر مجرم ہوتا ہے۔ مگر اب یہ نظریہ نہیں۔ آج یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تربیت نہ کہ فطرت وہ چیز ہے جو کسی کو مجرم بناتی ہے:

Nurture, not nature, is responsible for criminal behaviour.

حال میں امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے جرم اور فطرتِ انسانی:

Crime and Human Nature
by Prof. James Q. Wilson and Prof. Richard Herrnstein
Published by Simon and Schuster, New York

اس کتاب میں جرم اور مجرم کا مطالعہ کرتے ہوئے جو باتیں کہی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجرم فوری مقصد کو سامنے رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے اس ذہن کی وجہ سے ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ مستقبل کے بارہ میں سوچیں یا باقاعدہ منصوبہ بنائیں:

Criminals tend to be now-oriented personalities, which make planning or even thinking about the future difficult.

جرم کی اس نفسیات پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام عین مطابقِ حقیقت نظریہ ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں جدید تہذیب کا نظریہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ اسلام آخرت رُخی ذہن بناتا ہے اور جدید تہذیب دنیا رُخی ذہن بناتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی ذہن کی ساری توجہ "تب" پر ہوتی ہے اور جدید تہذیب کی ساری توجہ "اب" پر۔ اس طرح گویا اسلامی فکر مجرمانہ نفسیات کی جڑ کو کاٹ رہا ہے، جب کہ جدید تہذیب کا مادی ذہن مجرمانہ نفسیات کی پرورش کرنے والا ہے۔

نئے دور کے کنارہ پر

امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے۔ یہ ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو بہت زیادہ دولت مند ہیں۔ اس میں ۳۰ بڑے بڑے دولت مندوں کے مفصل انٹرویو درج کیے گیے ہیں۔ یہ وہ امریکی سرمایہ دار ہیں جن کا سرمایہ ۱۹۸۷ کے اندازہ کے مطابق ۲۵ء۴ ملین ڈالر تھا۔ کتاب کا نام یہ ہے :

The Ultra Rich, by Vance Packard, Little, Brown; 358 pages.

ان سرمایہ داروں کے پاس ممکن مسرفانہ خرچ سے بھی زیادہ رقم ہے۔ ان کے پاس اتنے بڑے بڑے مکانات ہیں جن کے اندر ہوائی جہازوں کے اترنے کے لیے رن وے (Runway) تک موجود ہے۔ وغیرہ (ٹائم ۱۳ فروری ۱۹۸۹)

تاہم وہ اپنی دولت سے پریشان ہیں۔ ایک دولت مند نے کہا کہ میرا مکان مجھ کو ایک وسیع قسم کا سرسبز پنجرہ (Verdant cage) معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور دولت مند نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں اس کو کیا کروں :

I don't know what the hell to do with it.

ان دولت مندوں کو اکتاہٹ کے علاوہ اور بھی مسائل درپیش ہیں۔ مثلاً ایک دولت مند نے کہا کہ اس کے بچے جلد ہی خود کروڑپتی (Millionaires) ہو جائیں گے۔ وہ اپنی ۴۰ء۳ ملین ڈالر کی دولت کا کوئی حصہ انھیں دینا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ زیادہ دینا ان کو خراب کر دے گا :

Giving more just spoils them.

مصنف وانس پیکارڈ جو خود اقتصادیات کا عالم ہے، اس نے تفصیلی جائزہ کے بعد اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تھوڑے سے افراد کے درمیان زیادہ دولت کا اجتماع بہت برا ہے۔ یہ سرمایہ داری کی اچھی صحت کے لیے خطرناک ہے۔ اس کے علاج کے لیے مصنف نے ایک تجویز پیش کی ہے —— ایک خاص مقدار، مثلاً ۲۵ ملین ڈالر کے بعد، پوری دولت پر ٹیکس لگانا :

Taxing net worth above a certain level (say, $ 25 million).

سرمایہ دارانہ نظام میں نفع پر ٹیکس کا اصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جس شخص کے پاس دولت ایک بار آجائے وہ مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں دولت کے ارتکاز (Concentration of Wealth) کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خرابی موجودہ سرمایہ دارانہ ممالک میں آخری حد تک آچکی ہے۔

پوری دولت پر سال بہ سال ٹیکس لگانا ایک اسلامی تصور ہے۔ یہ عین وہی چیز ہے جس کو شریعت اسلامی میں زکوٰۃ کہا گیا ہے۔ مغربی ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں نے وہاں کے سنجیدہ لوگوں کو کسی نئے معاشی اصول کا متلاشی بنا دیا ہے۔ حتی کہ اب وہ زکوٰۃ کا نام لیے بغیر زکوٰۃ کے اصول کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔

آج وہ بہترین وقت آگیا ہے جب کہ مغربی ملکوں کے سامنے اسلام کے معاشی اصولوں کو پیش کیا جائے اور وہ اس کو موجودہ سرمایہ داری کا نعم البدل سمجھ کر اسے قبول کرلیں، اور اسی کے ساتھ پورے اسلام کو بھی۔

آج کی دنیا ایک نئے دور کے آغاز کے کنارے کھڑی ہے۔ یہ وہی دور ہے جس کا متعین نام "اسلامی نظام" ہے۔ تاہم دنیا کو اس طرف لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف ایک ہے۔ اور وہ موجودہ زمانہ کے مسلمان ہیں۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انھوں نے غیر مسلم اقوام سے اپنے جھوٹے قومی مسائل کے لیے جھوٹی لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔ اس لڑائی سے انھیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ دوسری طرف یہ عظیم نقصان ہے کہ ان کے ان قومی جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ناقابل بیان تلخی پیدا ہوگئی ہے۔ اس بنا پر وہ اسلام کے بارے میں سنجیدہ غور وفکر کے قابل نہیں رہے ہیں۔ اگر مسلمان صرف اتنا کریں کہ وہ کچھ نہ کریں یعنی دوسری قوموں سے قومی اور مادی جھگڑے ختم کردیں تو اسلام خود اپنی طاقت سے پھیلنے لگے گا، بغیر اس کے کہ اس کو پھیلانے کی براہ راست جدوجہد کی گئی ہو۔

اسلام کے عقائد عین فطری تقاضے کے مطابق ہیں۔ اسی طرح اسلام کا عملی نظام بھی فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ اسلام کو اہل عالم کی نظر میں قابل قبول بنانے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اسلام کو سادہ اور بے آمیز شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

دنیا انتظار میں ہے

مشہور انگریز مورخ آرنلڈ ٹوائن بی کی ۲۶۳ صفحات کی ایک کتاب ہے جس کا نام "تہذیب کا امتحان" ہے۔ مصنف کے الفاظ میں یہ کتاب انسان کے حال اور مستقبل کے بارہ میں ایک مورخ کے نقطۂ نظر (Standpoint of a historian) کو بیان کرتی ہے:

Arnold J. Toynbee. *Civilization on Trial*, London 1948

کتاب میں مصنف نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ جدید تہذیب نے مادی اعتبار سے انسان کو بہت کچھ دیا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ اس نے بہت سے مسائل بھی پیدا کئے ہیں جن کا حل بظاہر اس کے پاس نہیں۔ ان مسائل میں سے دو چیزیں ـــــ نسل امتیاز اور شراب ہیں۔ مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ ان دونوں برائیوں کو ختم کرنے میں مغربی تہذیب ناکام ہو چکی ہے، اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے دونوں برائیوں کو ختم کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی۔

ہم اسلام میں کچھ ایسے اصول پا سکتے ہیں جو کہ اگر نئے سماج کے اندر رائج کئے جائیں تو ان کا نہایت مفید اثر قریبی مستقبل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ ہمارے موجودہ سماجی تعلقات میں دو کھلے ہوئے خطرے موجود ہیں، ایک نفسیاتی اور دوسرا مادی۔ یہ خطرے ہماری موجودہ مغربی سوسائٹی کے اہم اجزاء بن گئے ہیں۔ وہ ہیں ـــــ شراب اور نسلی امتیاز۔ ان دونوں برائیوں کو ختم کرنے کے لئے اسلام اہم خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اگر یہاں اسلام کو اختیار کر لیا جائے تو وہ اخلاقی اور سماجی اعتبار سے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا ختم ہو جانا اسلام کا عظیم اخلاقی کارنامہ ہے، اور آج کی دنیا میں اسلام کے ان اصولوں کی تبلیغ شدید ضرورت بن گئی ہے (صفحہ ۲۰۵)

We can, however, discern certain principle of Islam which, if brought to bear on the social life of the new cosmopolitan proletariat, might have important salutary effects on 'the great society' in a nearer future. Two conspicuous sources of danger – one psychological and the other material – in the present relations of this cosmopolitan proletariat with the dominant element in our modern Western society are race consciousness and alcohol; and in the struggle with each of these evils the Islamic spirit has a service to render which might prove, if it were accepted, to be of high moral and social value.

The extinction of race consciousness as between Muslims is one of the outstanding moral achievements of Islam, and in the contemporary world there is, as it happens, crying need for the propagation of this Islamic virtue. (p. 205)

شراب کی ثابت شدہ خرابیوں کی بنا پر ۱۹۱۹ میں امریکہ کے دستور میں ۱۸ ویں ترمیم منظور کی گئی۔ اس کے مطابق، شراب کو مکمل طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ مگر حکومت کے تمام ذرائع کو استعمال کرنے کے باوجود ملک سے شراب ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ غیر قانونی شراب کا کاروبار بہت بڑے پیمانے پر سارے ملک میں پھیل گیا۔ آخر کار حکومت نے ہار مان لی۔ ۱۹۳۳ میں دستور میں ۲۱ ویں ترمیم کی گئی۔ اس کے مطابق شراب کو دوبارہ ملک میں جائز قرار دے دیا گیا۔ (VIII/233)

اس کے برعکس اسلام میں جب ہجرت کے بعد شراب کی باقاعدہ حرمت کا حکم (المائدہ ۹۰) آیا اور مدینہ میں اس حکم کی منادی کی گئی تو فوراً ہی لوگوں نے شراب چھوڑ دی۔ جس کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا اس کو اس نے زمین میں بہا دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۹۸۴) میں اس تاریخی واقعہ کا اعتراف اس طرح کیا گیا ہے کہ اسلام میں ساتویں صدی میں شراب پر مذہبی کنٹرول کا بالکل مختلف طریقہ اختیار کیا گیا۔ قرآن نے سادہ طور پر شراب کی مذمت کی اور اس کا نتیجہ محمد کے پیروؤں پر ایک موثر پابندی کی صورت میں ظاہر ہوا، عرب میں بھی اور دوسرے ملکوں میں بھی :

Quite a different kind of religious control was adopted later in Islam: the Qur'an simply condemned wine, and the result was an effective prohibition wherever the devout followers of Muhammad in Arabia and other lands prevailed. (1/441-42)

انسانوں میں بظاہر رنگ اور نسل وغیرہ کا فرق پایا جاتا ہے۔ تاریخ کے پچھلے زمانوں سے اب تک بہت سے لوگوں نے اس فرق کو امتیاز کے ہم معنی سمجھ لیا اس کے نتیجہ میں اعلیٰ نسل اور ادنیٰ نسل کا تصور پیدا ہوا۔ قرآن میں اس تصور کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے اعلان کیا گیا کہ مختلف انسانی گروہوں میں فرق کا سبب امتیاز نہیں ہے بلکہ اس کا سبب تعارف (الحجرات ۱۳) ہے۔ اسی کے ساتھ اسلام نے عملی طور پر بے امتیاز سماج کا اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔ مثلاً نماز کے لئے اذان پکارنے کا کام حبشی بلال کے سپرد کیا گیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱۵/۳۶۱) میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اسلام نے جب مختلف ممالک (افریقہ وغیرہ) فتح کئے تو کسی بھی مسلم ملک میں نسل کی بنیاد پر ذات پات کا نظام قائم نہ ہوسکا:

None of the Muslim countries ever developed a racial caste system.

اسلام کی مذکورہ حیثیت اتنی واضح ہے کہ غیر مسلم مفکرین اور مورخین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ تاہم اس کو موجودہ زمانہ میں واقعہ بنانے کی محنت ابھی باقی ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی (۱۸۸۹ - ۱۹۷۵) کی مذکورہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۸ میں چھپی۔ گویا یورپ کے اس ممتاز مورخ نے یہ بات بیسویں صدی کے وسط میں کہی تھی۔ اب بیسویں صدی ختم ہو رہی ہے۔ تقریباً ۵۰ سال گزر گئے، مگر مسلمان اب تک اس پکار کے لئے نہیں اٹھے۔ البتہ اسی مدت میں سیاسی ہنگاموں، قومی جھگڑوں اور گولی اور بم کے دھماکوں کے لئے وہ بار بار نہایت جوش و خروش کے ساتھ اٹھتے رہے ہیں۔

یہ بلاشبہہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے تمام مسلم رہنما اور دانش ور کسی ایک یا دوسری صورت میں یہی جرم کر رہے ہیں۔ دنیا ان سے امن مانگ رہی ہے اور وہ اس کو جنگ دے رہے ہیں۔ دنیا رحمت کی طالب ہے اور وہ اس کو مصیبت پیش کر رہے ہیں۔ دنیا محبت کے انتظار میں ہے اور وہ اس کو نفرت کی خوراک دینا چاہتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو دوسری قوموں سے چوٹ پہنچی۔ اس چوٹ کو وہ سہہ نہ سکے۔ وہ ردعمل میں مبتلا ہو کر ان کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کو جاننا چاہئے کہ اس چوٹ کو سہنا ہی دعوت الی اللہ کی قیمت ہے۔ جو لوگ مدعو کی زیادتیوں پر صبر نہ کر سکیں وہ کبھی دعوت کا کام نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ اگر دعوت اور داعی کا نام لیتے ہیں تو یہ بات ان کے جرم کے خانہ میں لکھی جانے والی ہے نہ کہ انعام کے خانہ میں۔ جن لوگوں نے دعوت کی قیمت ہی ادا نہ کی ہو وہ دعوت کا انعام آخر کس طرح پا سکتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، ٹوائن بی (Arnold J. Toynbee) نے اپنی کتاب تہذیب کی آزمائش (Civilization on Trial) میں لکھا ہے کہ جدید دنیا، اپنی تمام مادی ترقیوں کے باوجود دو سنگین برائیوں میں مبتلا ہے جن سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت اسے نظر نہیں آتی۔ یہ دونوں برائیاں، شراب اور نسلی امتیاز ہیں۔ مگر اسلام کے پاس اس کا حل موجود ہے اور اسلام نے عملاً ان برائیوں کا خاتمہ کر کے اس کو تاریخی طور پر ثابت کر دیا ہے۔ آج کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ دنیا کو اسلام کے اس روشن پہلو سے واقف کرایا جائے۔

English	
God Arises	75/-
Muhammad The Prophet of Revolution	75/-
Islam As It Is	
God Oriented Life	
Words of the Prophet	40/-
Introducing Islam	
Religion and Science	
Tabligh Movement	20/-
Islam the Voice of Human Nature	20/-
Islam the Creator of Modern Age	50/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Man Know Thyself!	4/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Social Justice in Islam	6/-
Polygamy in Islam	3/-
Words of Wisdom	

فائل الرسالہ اردو (مجلد)

سال	
1976-77	90/-
1978	80/-
1979	80/-
1980	80/-
1981	80/-
1982	80/-
1983	80/-
1984	80/-
1985	80/-
1986	80/-
1987	80/-
1988	80/-
1989	80/-
1990	80/-
1991	80/-

فائل الرسالہ انگریزی (مجلد)

1984	80/-
1985	80/-
1986	80/-
1987	80/-
1988	80/-
1989	80/-
1990	80/-
1991	80/-

فائل الرسالہ ھندی (مجلد)

1990-91	85/-

روشن مستقبل	6/-
صوم رمضان	6/-
علم کلام	
صداقت اسلام	
علماء اور دور جدید	
ہندستانی مسلمان	
سیرت رسول	
عربی	
الاسلام يتحدى	
سقوط الماركسية	
حقيقة الحج	

آڈیو کیسٹ

A-1	حقیقت ایمان	25/-
A-2	حقیقت نماز	25/-
A-3	حقیقت روزہ	25/-
A-4	حقیقت زکوٰۃ	25/-
A-5	حقیقت حج	25/-
A-6	سنت رسول	25/-
A-7	میدان عمل	25/-
A-8	پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
A-9	اسلامی دعوت کے جدید امکانات	25/-
A-10	اسلامی اخلاق	25/-
A-11	اتحاد ملت	25/-
A-12	تعمیر ملت	25/-
A-13	نصیحت لقمان	25/-

ویڈیو کیسٹ

V-1	پیغمبر انقلاب
V-2	اسلام داعی امن
V-3	اسلام دور جدید کا خالق
V-4	امت مسلمہ کے لیے نئے چیلنج
V-5	اسلام اور سماجی انصاف
V-6	اسلام اور دور حاضر

انوار حکمت	20/-
تعمیر کی طرف	
تبلیغی تحریک	20/-
تجدید دین	20/-
عقلیات اسلام	30/-
مذہب اور سائنس	20/-
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	5/-
اسلام دین فطرت	6/-
تعمیر ملت	6/-
تاریخ کا سبق	6/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-
تعارف اسلام	5/-
اسلام پندرھویں صدی میں	5/-
راہیں بند نہیں	6/-
ایمانی طاقت	6/-
اتحاد ملت	6/-
سبق آموز واقعات	6/-
زلزلۂ قیامت	8/-
حقیقت کی تلاش	6/-
پیغمبر اسلام	5/-
آخری سفر	6/-
اسلامی دعوت	6/-
خدا اور انسان	6/-
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	5/-
دینی تعلیم	6/-
حیات طیبہ	6/-
باغ جنت	6/-
نار جہنم	6/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	6/-
شخصیات اسلام	6/-
تعدد ازواج	3/-

ن جلد اول	175/-
ن' جلد دوم	175/-
ـــر	45/-
ب	40/-
ر جدید چیلنج	
رآن	30/-
سلام	6/-
ابہ	6/-
،	50/-
ام	40/-
ام	40/-
ندگی	25/-
لام	20/-
ت	60/-
قیم	40/-
لام	45/-
ر اسلام	40/-
ر عصر حاضر	30/-
ـــہ	40/-
لت	45/-
حج	30/-
بات	25/-
ر جدید کا خالق	25/-
سول	35/-
جلد اول	80/-
جلد دوم	80/-
(ملکی اسفار)	80/-
(غیر ملکی اسفار)	80/-
سفر	35/-
امہ	20/-
	25/-
لی	50/-
یاسی تعبیر	20/-
ت	20/-

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

THE ISLAMIC CENTRE C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110 013

Single Copy Rs. 6 · Annual Subscription Rs 60/$25